

صَدَائِقُ سَرمدی

زیرِ سرپرستی:

عاشقِ رسول، شاہِ شاہان، خواجہ خواجگان، قطبِ العالم،
فقیرِ بے بدل، فقیرِ بے مثال، فقیرِ محمدی، فقیرِ فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی)، قلندری

المعروف افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار

فِي سَبِيلِ اللَّهِ

Not For Sale

Marfat.com

صدا کے سرمدی



پبلشرز: حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ نوریہ ۰۶۷-۰۶۸ بلاک ۷ اور سینر باؤسنگ سوسائٹی - کراچی

نام کتاب _____ صدائے سردی
 ترتیب و پیشکش _____ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ کراچی
 ناشر _____ حلقہ چشتیہ صابریہ عارفیہ کراچی

تعداد	تاریخ اشاعت
۱۰۰۰۰	جمادی الاول ۱۴۳۸ھ فروری ۲۰۱۷ء 297-9924 م 314 140011 کرا

E-mail: arfeen@cyber.net.pk

مناجات

اے اللہ کریم ! ہم گناہ گار و خطا کار ہیں۔ ہمیشہ تیری رحمت کے امیدوار ہیں اور مشکل سے مشکل گھڑی میں تجھے ہم نے پکارا، تو نے ہماری پکار اپنی رحیمی و کریمی کے صدقے میں اور وسیلہ جلیلہ، اپنے پیارے حبیب صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کا قبول فرما کر ہمیں ہمیشہ اپنی رحمت سے نوازا اور اس مشکل سے نجات دی۔ تو کریم المعروف ہے، قدیم الاحسان ہے، حنان و منان و دیان ہے، ذوالجلال والاکرام ہے اور علیٰ کلّ شیءٍ قَدِيرٌ اور کُنْ فَيَكُونُ کی طاقت رکھتا ہے۔

تیری اس عاجز بندی نے ڈرتے ڈرتے ”صَدَائِعُ سَرْمَدِي“ کے عنوان سے اس موضوع پر اپنے مُرشد شاہ شاہاں، خواجہ خواجگان قطب العالم فقیر بے بدل، فقیر بے مثال، فقیر محمدی، فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ حضرت خواجہ شاہ محمد افضل قادری، چشتی (صابری، نظامی)، قلندری المعروف ”افضل سرکار“ رحمۃ اللہ علیہ کے زیر سرپرستی یہ کتاب پیش کرنے کی کوشش کی ہے اور اب یہ تیری بارگاہ عالیہ میں نذر ہے۔ اسے شرف قبولیت عطا فرما۔ امیدوار ہوں تو مایوس نہیں فرمائے گا۔ کاش یہ تیری اور تیرے حبیب پاک ^{صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم} کی خوشنودی کا باعث بنے۔ آمین ! جو جو میری خامیاں ہیں، اُن کو درگزر فرما۔

میرے پاس کوئی عذر نہیں، صرف معافی کی طلبگار ہوں۔
 اس کے پڑھنے والے کی حاجتیں اور مرادیں پوری فرما۔ اُن کو
 دین کی بھلائی عطا فرما۔ اُن کو اپنی اور حضور صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ کی
 اور پنجتن پاک کی محبت عطا فرما۔ یا اللہ! جو شخص بھی حاجتمند ہے
 وہ اس کو پڑھنے تک ہی اپنے آپ کو محدود نہ کر لے بلکہ اس میں ایسا
 ذوق و شوق عطا فرما کہ وہ دین کے کسی عالمِ حق کے سامنے زانو تے ادب
 تنہ کر کے کلامِ پاک کے معانی اور تفسیر غور سے پڑھے۔ اس کے بعد
 اس کو توفیق عطا فرما کہ وہ تیری اور تیرے رسول صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ
 کی اطاعت کرے تیری ہی ہوتی توفیق سے۔ محض اس نیت سے کہ
 تو اور تیرے حبیبِ پاک (صَلَّی اللہ علیہ وآلہ وَسَلَّمَ) اُس سے راضی
 ہو جائیں۔

دُعا گو اور دُعا جو
 رابعہ ثانیہ

اظہارِ تشکر

میں اپنی اُن دینی بہنوں اور بھائیوں کی ممنون ہوں، جنہوں نے دلمے، درمے، سُخنے اس کام میں میری مدد کی۔ اے اللہ! اُن سب پر اپنے فضل و کرم کی بارش فرما اور انہیں ہر بلا سے ناگہانی، آفت، مصیبت، پریشانی، بدنامی، بے عزتی، مفلسی، محتاجی، بیماری، قرض داری، رُجعتِ دین، ذکر و فکر اور نماز سے غفلت سے محفوظ فرما اور انہیں اس معاونت کا اجرِ عظیم عطا فرما! آمین

دُعاگو اور دُعا جو
رابعہ ثانیہ

گزارش

اس تالیف میں اگر کہیں زیر، زبر یا کتابت کی کوئی غلطی
نظر آئے تو اُسے از راہِ کرم اپنے قلم سے خود درست کر لیجئے گا۔
آپ کی بڑی نوازش ہوگی۔

دُعاگو اور دُعا جو
رابعہ ثانیہ

فہرست

صفحہ نمبر	عنوانات	تاریخ	باب نمبر	شمار نمبر
9	حضرت شاہ محمد غزن رحمۃ اللہ علیہ	یکم مارچ ۲۰۱۳ء ۱۸ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ	268	1
22	حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ	۸ مارچ ۲۰۱۳ء ۲۵ ربیع الثانی ۱۴۳۴ھ	269	2
39	ادب	۱۵ مارچ ۲۰۱۳ء ۲ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ	270	3
52	موت ایک حقیقت	۲۲ مارچ ۲۰۱۳ء ۹ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ	271	4
65	حالات کا بہاؤ اور ہماری کوٹاہ نظری	۲۹ مارچ ۲۰۱۳ء ۱۶ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ	272	5
79	دعا کی اہمیت	۵ اپریل ۲۰۱۳ء ۲۳ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ	273	6
96	حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا	۱۲ اپریل ۲۰۱۳ء یکم جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ	274	7
113	حضرت محمد گیسو دار زر رحمۃ اللہ علیہ	۱۹ اپریل ۲۰۱۳ء ۸ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ	275	8
128	حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ	۲۶ اپریل ۲۰۱۳ء ۱۵ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ	276	9
144	حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ	۳ مئی ۲۰۱۳ء ۲۲ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ	277	10

صفحہ نمبر	عنوانات	تاریخ	باب نمبر	شمار
159	حضرت العام الرحمن قدوسیؒ	۱۰ مئی ۲۰۱۳ء ۲۹ جمادی الثانی ۱۴۳۴ھ	278	11
172	حضرت خواجہ غریب نوازؒ	۱۶ مئی ۲۰۱۳ء ۱۶ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ	279	12
187	توبہ - (حصہ اول)	۲۴ مئی ۲۰۱۳ء ۱۳ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ	280	13
200	توبہ - (حصہ دوم)	۳۱ مئی ۲۰۱۳ء ۲۰ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ	281	14
213	شب معراج	۶ جون ۲۰۱۳ء ۲۶ رجب المرجب ۱۴۳۴ھ	282	15
228	حضرت خواجہ شاہ محمد افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ	۱۴ جون ۲۰۱۳ء ۴ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ	283	16
243	شب برأت	۲۱ جون ۲۰۱۳ء ۱۱ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ	284	17
255	حضرت لعل شہباز قلندرؒ	۲۸ جون ۲۰۱۳ء ۱۸ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ	285	18
270	محبت کے تقاضے	۵ جولائی ۲۰۱۳ء ۲۵ شعبان المعظم ۱۴۳۴ھ	286	19
283	حضرت شرف الدین بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ	۱۲ جولائی ۲۰۱۳ء ۲ رمضان المبارک ۱۴۳۴ھ	287	20

حضرت شاہ محمد غزنی رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو ان سب تخلیقات کا اعلیٰ ترین مالک ہے جو اُس کے ”کُن“ کہہ دینے سے پیدا ہوئیں۔ بے شک کوئی چیز اُس کے لئے مشکل نہیں ہے۔ وہ بس ارادہ کرتا ہے اور اُس ارادے کی تکمیل ہو جاتی ہے۔

دُرود و سلام رسولِ آخر پر جو رَحْمَتُ اللِّعَالَمِیْنَ بنا کر بھیجے گئے ہیں۔ آپ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِمْ وَاٰلِہٖ وَسَلَّمَ یَقِیْنَا النَّسَیْتِ کے لئے اللہ کی رحمت ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی اُن سب پر جو ان مخلوق کے ذریعے ادب و احترام سیکھ رہے ہیں۔

مثنوی میں مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک ایسے شخص کی کہانی بتائی ہے جو صرف دُنخو کا ماہر، اور جس کو زبان پر عبور حاصل تھا۔ وہ زبان دان ایک بار ایک کشتی کے ذریعے سفر پہ نکلا، وہ

کشتی ران کی طرف مخاطب ہوا اور اُس سے پوچھا: ”کیا آپ نے کبھی صرف دُخو کی تعلیم حاصل کی ہے؟“ ”نہیں“ اُس نے جواب دیا۔ زبان دان نے کہا: ”تو پھر تمہاری آدھی زندگی ضائع ہوئی! یہ سُن کر کشتی ران غم سے افسردہ ہوا لیکن کچھ نہیں بولا۔ تیز ہوانے کشتی کو ایک گرداب میں ڈال دیا۔ کشتی ران (یعنی ملاح) نے چلا کر زبان دان سے پوچھا: ”کیا تمہیں تیرنا آتا ہے؟“ ”نہیں“، اُس نے جواب دیا۔ اس پر ملاح نے کہا: ”اے خوبصورت کلام والے حسین زبان دان، تمہاری پوری زندگی ضائع گئی، کیونکہ کشتی اس بھنور میں ڈوب رہی ہے۔ اے احمق! رُب کی عبادت کرو، جب آخری وقت قریب آجائے زبان کے قاعدے یقیناً تمہیں نہیں بچائیں گے۔“

اس کہانی میں سب کے لئے ایک نہایت گہرا سبق ہے۔ اپنی زندگی کی حقیقت کو جانئے۔ یہ جانئے کہ آپ کو کیوں پیدا کیا گیا تھا اور آپ کے وجود کا مقصد کیا ہے، جس طرح کہ سورۃ الذریت میں فرمایا: ”اور میں نے جن اور انسان کو اسی واسطے پیدا کیا ہے کہ وہ میری عبادت کریں۔“ اور آپ کس طرح جانتے ہیں کہ کوئی شخص اللہ کی بارگاہ میں مقبول ہے؟ اللہ نے سورۃ آل عمران میں فرمایا: ”جو خدا کو اُٹھتے، بیٹھتے اور لیٹتے یاد

کرتے ہیں۔“ اور سورہ سجدہ میں فرمایا: ”جن کے پہلو (رات کو) خواب گاہوں سے علیحدہ رہتے ہیں، وہ خوف اور اُمید کے ساتھ اپنے پروردگار کو پکارتے ہیں۔ (آیت ۱۶)“ سورہ الفتح میں اللہ فرماتا ہے: ”تم ان کو دیکھو گے رکوع میں بھکے ہوئے اور سجدے میں پڑے ہوئے خدا کے فضل اور خوشنودی کو تلاش کرتے ہیں۔“ تو آپ میں سے جو اس حقیقت سے آگاہ ہیں وہ کبھی گمراہ نہ ہوں گے۔ اگر آپ اپنی ہستی کا مقصد جانتے ہیں، تو آپ اپنی منزل کا تعین واضح طور پر کر سکیں گے۔ آپ اُس منزل تک پہنچنے کے لئے محنت سے کام کریں گے اور اپنی مُراد کو پانے کی خاطر سب کچھ کریں گے۔ یہ صرف اُس وقت ہوگا جب آپ کو واضح طور معلوم ہو کہ آپ کی منزل کیا ہے۔ یہ جاننا دراصل اتنا گھبیرا مسئلہ نہیں ہے کہ ہر مخلوق جس کی نسبت اللہ سے ہے، اُس کا مقصد حیات اُس کی واحد منزل مقصود اللہ کی محبت کا حصول ہے۔ یہی محبت ہر انسانی حیات کا محور ہونی چاہیئے۔ یہی محور شانِ ربوبیت ہے، اور اس کے وجود کے باعث اللہ کی وحدانیت پر کامل ایمان ہے۔ جن کو اللہ سے سچی محبت ہے وہ خود کو ہمیشہ اُس کی بارگاہ میں پاتے ہیں۔

اللہ کے وجود پر آپ کا ایمان اس قدر یقین کے ساتھ ہونا چاہیے کہ آپ کو ایسا لگے کہ آپ اللہ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہوں۔ جب کوئی شخص ایمان کے اس درجے تک پہنچے تو وہ دراصل رسول اللہ ﷺ کے اس فرمان کے مطابق عمل کر رہا ہے۔ ”احسان یہ ہے کہ تم اس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو گویا تم اُس کو دیکھ رہے ہو، اگر تم اس کو نہیں دیکھ رہے تو وہ تم کو دیکھ رہا ہے۔“ یہی نچوڑ ہے تمام اولیاء کرام کی صوفی تعلیمات کا جو وہ دُنیا کو دے رہے تھے۔ وہ اپنے نبی و محترم ﷺ کی ان ہدایات کی اطاعت کر رہے تھے کہ ”ہر چیز سے کٹ کر اُس کی طرف ہو جانا۔“ رسول اللہ ﷺ نے اس عمل کے لئے آسان ترین طریقہ بھی بتا دیا ہے، یعنی نُس کتاب کے مطابق چلیں اور ہادی و رحمت ﷺ کے ہاتھ مضبوطی سے تھامیئے اور کچھ ہی عرصے بعد آپ دیکھ لیں گے کہ آپ منزل تک پہنچ گئے ہیں۔

ایک صوفی بزرگ کا ارشاد ہے: ”اے برادر! اگر تم آج فقراء کے مراتب کا پتہ لگانا چاہو تو اُن کے اتباع شریعت پر نظر کرو، کہ شریعت معیار ہے۔ اسی کسوٹی پر فقیر کی حقیقت روشن ہو جاتی ہے۔“ اس لئے، جب کوئی آپ سے پوچھے کہ ایک صوفی

کون ہے، تو آپ کہہ دیجئے کہ: ”جو اپنی عقل کو سنتِ رسولؐ پر صرف کرتے ہیں، اور اپنے قلوب کو اُس پر متوجہ کرتے ہیں، اور اپنے نفس کی خجاستوں سے اپنے سردار کے دامن میں پناہ لیتے ہیں، انہی لوگوں کو صوفی کہتے ہیں،“ کیونکہ، ”فقیر، سوائے حق کے، کسی چیز سے آرام نہیں پاتا۔“

یہ ننھا مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایت کا سبق، یعنی آپ تمام دنیاوی علوم پر عبور رکھتے ہوں، آپ نے دنیاوی خوشیاں خریدنے کے لئے بہت خرچ کئے ہوں اور آپ کو اُس پہ بہت فخر بھی ہوا ہو، لیکن ذرا سوچیں کہ کیا ہوگا جب زندگی کی کشتی بھنور میں ڈوب جائے گی، جب زندگی کی آخری سانس بھی ختم ہو جائیں گی اور جب نئی دنیا کے دروازے آپ کی آنکھوں کے سامنے کھل جائیں گے۔ ایسے وقت میں کون سا علم آپ کو حقیقت میں بچائے گا اور کن کا نام آپ کو ابدی آگ سے امان دے گا۔ یاد رکھیے کہ آپ سب اپنی اپنی کشتیوں پر سوار ہیں، اس لئے آپ کو اپنی بقاء کے طریقوں سے آگاہی ہونی چاہیے، تاکہ جب منکر نکیر آپ سے پوچھیں کہ: ”کیا آپ تیرنا جانتے ہیں؟“ (تو اُس وقت) اگر جواب ”نہیں“ میں ہے تو اُن کے اس اعلان کو سننے کے لئے تیار ہو جائیے

کہ: ”آپ کی پوری زندگی بیکار ہے“ اگر ایسا ہوا تو پھر وہاں
 کون ہوگا جو آپ کو کل کی پشیمانی سے بچائے گا۔ یہ صرف اللہ
 ہی ہے جو اپنی ہدایات کا سلسلہ جاری رکھے ہوئے ہے، جو اپنا
 صراط المستقیم اُن سب کو دکھا رہا ہے جو اپنی آنکھیں کھلی رکھے
 ہوئے ہیں۔

ے اگر عمر گزر گئی فراقِ دل میں

تنہائی کی دیوار تھی ہر منزل میں

ساتی نے کرم کیا، جگہ دی مجھ کو

جام و قدح و صراحی کی محفل میں

آپ میں سے ہر ایک جانتا ہے کہ صحبت کا اثر انسان

کے کردار پر گہرا اثر کرتا ہے۔ اگر آپ کسی عطر فروش کے

پاس بیٹھیں گے تو یقیناً آپ سے خوشبو آئے گی۔ لیکن اگر آپ

ایک ایسی جگہ پر بیٹھنا شروع کریں گے جہاں چمڑا رنگتے ہیں،

تو چاہے آپ نے چمڑے کو ہاتھ لگایا ہے یا نہیں، مگر آپ

کے بدن سے پھر بھی اس کی بدبو آئے گی۔ ایک دانا آدمی

اپنے دوستوں کے چناؤ میں ہمیشہ بہت محتاط ہوتا ہے، وہ

آج کل کے لوگوں کی طرح نہیں ہوتا جو دوستی کو اقتدار، دولت

اور شہرت کے پیمانے پر جانچتا ہے۔ ایک دانا آدمی اپنے

دوستوں کا انتخاب اُن کے نیک اطوار اور بلند کردار کی بنیاد پر کرتا ہے۔ لیکن اگر آپ سچ میں سیکھنا چاہتے ہیں تو پھر اللہ کے عاشقوں سے سیکھیں، جن کی تعلیم براہ راست اللہ اور اُس کے حبیب ﷺ کی طرف سے ہوئی ہے۔ تو اس طرح اپنے مُرشد کی صحبت میں بیٹھنا بہترین صحبت ہے۔ اور جس وقت آپ اُس صحبت میں ہیں، تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ اولیاء اللہ کی صحبت میں ہیں اور اُن کے محبوبین کی صحبت میں ہیں۔ تو ایک صحبت سے آپ کو کئی دوسروں کا بھی فیض حاصل ہو رہا ہے۔

آج غوثُ الوقت، قطبُ السالکین، حضرت خواجہ شاہ محمد غزن، قادری، سروری رحمۃ اللہ علیہ کا عرس ہے۔ تو آئیے ہم سب مل کے اُن کی زندگی کے اسباق میں سے کچھ سیکھتے ہیں۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی حیات کے صرف چند ہی پہلوؤں کے جائزے سے اس سچے صوفی کی کچھ جھلکیاں آسانی سے دیکھی جاسکتی ہیں جنہوں نے اپنی زندگی وقار سے گزاری اور جنہوں نے اپنے اطراف ہمیشہ ”حق“ کو پھیلایا۔

کہتے ہیں کہ تصوف دوسرا نام ہے خوش اخلاقی کا۔ جو اس کا زیادہ مظاہرہ کرتے ہیں، اُن میں تصوف زیادہ ہے۔

حضرت شاہ محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ اپنے والد محترم کے بارے میں فرماتے ہیں: ”غریبوں کی مدد کرنا اور اعلیٰ اخلاق سے پیش آنا، مہمانوں کی تواضع کرنا، درویشوں کی عزت کرنا اور ان کو اور ان کے مُریدوں کو کئی کئی روز تک اپنے ہاں رکھنا، یہ سب چیزیں آپ کی خاص اوصاف تھیں۔“ آپ کی غریب پروری بھی اس حقیقت سے عیاں تھی کہ آپ کا دل نہایت نرم تھا اُن غریب بچوں کی طرف جن کے والدین اُن کو تعلیم نہیں دلا سکتے تھے۔

حضرت شاہ محمد غزن رحمۃ اللہ علیہ نے حاجت مندوں کیلئے وظائف مقرر کئے ہوئے تھے اور یتیم بچوں کی فیس اور دیگر تعلیمی اخراجات ادا کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ آپ اپنے غریب رشتے داروں کی مدد اس خاموشی سے کرتے کہ آپ کے قریب ترین افراد کو بھی اس کی خبر نہیں ہو پاتی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ با اصول انسان تھے۔ آپ جانتے تھے کہ ادب دل کی ظاہری اور باطنی عکاسی کرتا ہے۔

آپ رحمۃ اللہ علیہ کی رفیقہ و حیات کی جوانی میں انتقال کے باوجود آپ کو اپنے بچوں کی عافیت اور بہتری کی ذمہ داری کا بہت احساس تھا۔ کبھی کبھی آپ کو پیشہ دارانہ ضرورت کے

تحت سفر کرنا پڑتا تھا (کیونکہ آپ گشتی آفیسر تھے) ، لیکن یہ مجبوری بھی آپ کی ذمہ داریوں کے آرے نہیں آتی ۔ آپ چاہتے تھے کہ گھر سے آپ کی غیر حاضری سے بچوں کے معمولات میں فرق نہ آئے ۔ اسی لئے آپ نے استادوں کو کہہ دیا تھا کہ آپ کی غیر موجودگی کے دوران وہ بچوں کی ڈائریز میں لکھ دیا کہیں کہ آیا بچوں نے اپنے ہوم ورک کئے تھے کہ نہیں ۔ آپ نے استادوں کو یہ بھی ہدایات دی تھیں کہ کوئی بھی بچوں کو جسمانی سزا نہ دے کیونکہ ”کمان“ صرف ایک شخص کے ہاتھ میں ہونا چاہیے ۔ آپ رحمہ اللہ اپنے بچوں کی کردار سازی کے ضمن میں بہت ہی چوکنا رہتے تھے ۔ یہی وجہ ہے کہ یہ ایک اتفاق نہیں تھا کہ آپ کے تمام بچے ولیات کے درجے تک پہنچے ۔

درحقیقت یہی طریقہ ہے بچوں کی پرورش اور تربیت کا ۔ یعنی اُن کے لئے خود ایک عملی نمونہ بننا ۔ بدقسمتی سے فی زمانہ وقت کے ساتھ ساتھ ایسے لوگوں کی تعداد کم ہو رہی ہے ۔ آج کل بچوں کے لئے محبت کا اظہار انہیں بہترین دنیاوی تعلیم دلانے سے ، اور اُن کی خواہشات کے آگے جھک کر کیا جاتا ہے ، اس بات کو سمجھے بنا کہ یہ بے جا لاد پیار کسی کے بھی مستقبل کو تباہ کر سکتا ہے ۔ اس انتشار اور افزائری کے عالم میں مادی

فوائد کے نگ و دو میں اپنی شناخت کی تلاش میں انہیں بہت زیادہ نام و نمود اور خوشیاں مل سکتی ہیں، لیکن یہ سب اُن کی اولاد کو پہنچنے والے نقصان کے بدلے۔

حضرت شاہ محمد غزن رحمۃ اللہ علیہ نے آپ سب کو دکھا دیا ہے کہ ذمہ دار والدین صرف وہ ہیں جن کی نظر میں اُن کے بچوں کی بہبود اُن کی پہلی ترجیح ہے۔ یہ بہبود وہ ذاتِ سفر ہے جو تمام انسانوں کو زندگی کے سفر کے لئے چاہیے ہوتا ہے۔ ہمیشہ یاد رکھیے کہ (اولاد کے لئے) والدین ہی پہلے ”رول ماڈل“ ہیں۔ بچہ اپنے اطراف ہونے والی تمام حرکات کو بڑی خاموشی سے جذب کرتا ہے۔ اگر اُن کے ننھے کانوں میں شروع سے ہی ذکرِ الہی کی آوازیں آتی ہیں اور اُن کی معصوم آنکھیں رکوع و سجود کے منظر دکھتی ہیں، تو پھر یہ کیسے ممکن ہے یہ بچے کبھی کچھ اور کریں گے۔ اور اگر اُن کے والدین اپنی گفتگو کے دوران بچوں کے دلوں پر اللہ کی محبت چھڑکتے ہیں، تو آپ کے خیال میں کیا یہ محبت شروع سے ہی بچوں کے دلوں میں بڑ نہیں پکڑے گی؟ کیا یہ محبت اُس سچی محبت کو جنم نہیں دے گی جو تمام اولیاءِ کرام کے لئے ایک قیمتی سرمایہ ہے؟

یہی منظر حضرت افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے چھوٹی سی عمر میں

دیکھا کہ کس طرح آپ کے والد صاحب اپنے بچوں کو راہِ مستقیم
 کی ہدایت کرتے بلکہ وہ اُس کا عملی مظاہرہ بھی کرتے۔ حضرت
 افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ ان باتوں کو بڑے پیار سے یاد کیا کرتے تھے:
 ”وہ ایسے درویش تھے جنہوں نے اوائل عمری سے آخری
 عمر تک، یعنی ۸۲ (بیاسی) برس تک اپنے آپ کو پوشیدہ رکھا،
 یعنی بے شمار کرامتیں سرزد ہوئیں مگر دکھائی نہیں۔ اس کو
 انہوں نے کبھی پسند نہیں کیا کیونکہ اُس کو منزل نہیں سمجھا۔ منزل
 جو تھی، وہ دل کو اللہ کے ذکر کے اندر تڑپتے ہوئے رکھنا اور
 نفس کی سرزنش کر دینا تھی۔ پینشن کے بعد غالباً ۳۲ (تیس)
 برس تک آپ اپنے حجرے میں مقیم رہے، یعنی (۲۴) چوبیس
 گھنٹے میں آپ بہ مشکل تمام دو (۲) گھنٹے یا تین (۳) گھنٹے آرام
 کرتے تھے اور ہمیشہ حضور کی نشست میں رہتے تھے، یعنی
 بیٹھتے تھے۔ ہر وقت یادِ الہی میں رہتے تھے۔ اپنے اوراد، وظائف
 اور معمولات کے سختی سے پابند تھے، اپنے کمرے میں کوئی ایسی چیز
 نہیں آنے دیتے تھے جس سے ظاہراً شرع کی خلاف ورزی ہو۔“
 حضرت شاہ محمد غزن رحمۃ اللہ علیہ ایک قادری، سروری بزرگ
 تھے، جس کا مطلب یہ ہے کہ آپ کو فیضِ براہِ راست رسول اللہ
 سے ملا، جنہوں نے آپ کے ہاتھ غوث الاعظم شیخ عبدالقادر جیلانی رضی

کے دستِ مبارک میں دیئے تھے۔ ایسا تھا آپ کا رُتبہ !
 آپ کی زندگی کے آخری ایام میں حضرت عوث پاک رضی
 سے آپ کی نسبت اس قدر ظاہر و نمایاں ہو گئی کہ اس جہانِ فانی
 سے رخصتی کیا رہیں شریف والے دن ہوئی۔ آپ ۱۱ دن تک
 بستر پر رہے اور وہ بھی حالتِ استغراق میں۔ جب آپ کا
 استغراق ختم ہوتا، عموماً صبح ۴ بجے، تو آپ فرمایا کرتے کہ: ”میری
 بات سمجھے؟“ تو آپ کے تمام بچے جواب دیتے: ”جی ہاں!“۔
 آخری دن، صبح چار بجے آپ نے اپنے سب بچوں کی طرف
 دیکھا جو وہاں موجود تھے اور آپ کے پاؤں دبا رہے تھے، تو
 آپ کی آنکھیں بھیگ گئیں اور آپ رحمۃ اللہ علیہ نے آسمان کی طرف
 دیکھ کر کہا: ”مجھے آسمان نظر آنا چاہیے“ جب اُنہیں آسمان نظر
 آگیا، تو انہوں نے فرمایا: ”میں کتنا خوش نصیب ہوں کہ اللہ
 نے مجھے اطاعت گزار اولاد دی، کسی کا ایک ولی ہوتا ہے۔
 کسی کے دو ولی ہوتے ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے میری ساری اولاد کو
 ولیانِ کامل بنا دیا۔“

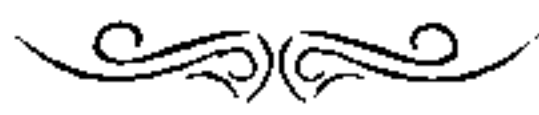
اے اُمّتِ محمدی ! اللہ کے عاشقین کے بارے میں
 صفحات کے صفحات لکھے جاسکتے ہیں، اور بیان پر بیان مئے
 جاسکتے ہیں، لیکن اُن کے بارے میں ایک چیز جو قدرِ مشترک

ملے گی وہ یہ ہے کہ اُن کے دلوں میں اللہ کی سچی محبت تھی،
 اور یہ خوف بھی کہ اگر کوئی ایسی بات سرزد ہو جائے جس میں
 اللہ کی رضا شامل نہ ہو۔ اس طرح وہ اپنی زندگی خوف و رجا
 میں بسر کرتے۔ وہ جانتے تھے کہ زندگی کی کشتی میں رہنا کتنا
 عارضی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی آنکھیں ہمیشہ منزل پر لگی رہتی
 تھیں۔ ایک اور خوبصورت بات جس نے اُن کو لاتانی بنا دیا تھا
 وہ یہ تھی کہ وہ صرف اپنے ہی لئے نہیں سوچتے تھے، بلکہ وہ
 اپنے اطراف موجود سب لوگوں کے ہاتھ اپنے ہاتھوں میں پکڑے
 رہتے تھے، اپنے عرصہ و حیات میں بھی اور اُس کے بعد بھی۔
 یہ ہیں اللہ کے سچے عاشقوں کی نشانیاں، اور بے شک
 حضرت شاہ محمد غزنوی رحمۃ اللہ علیہ اُن میں سے ایک تھے۔

اللہ اُن کے درجات میں مزید اضافہ فرمائیں اور ہم
 سب کے لئے اُن کی دُعاؤں کو شرف قبولیت بخشیں۔

آمین!

ثم آمین



حضرت محبوبِ الہی رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کی رحمت اس زمین پر ہمیشہ برستی رہتی ہے۔ دلوں کو اُس کی اس نعمت کو قبول کرنے کے لئے ہر وقت کھلا رہنا چاہیے۔ بھلا کون ہے جو اُن نعمتوں کو شمار کر سکتا ہے، کیونکہ وہ تو لا تعداد اور نہ قابلِ حساب ہیں۔

دُرود و سلام اُن ذاتِ گرامی پر جو تمام انسانیت اور عالمین پر رحمت ہیں، اور اپنے رب کے جمال کا منظر ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں اب سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن مہربان دلوں اور زبانوں پر جو ذکرِ الہی میں مصروف ہیں۔ یقیناً یہ وہی کر رہے ہیں جو ملائک اور اللہ کے تابعدار بندے کرتے ہیں۔

محبت کے کئی چہرے ہیں۔ یہ والدین کی محبت ہو سکتی ہے، اولاد کی محبت، دوستوں کے لئے یا شریکِ حیات کیلئے

محبت ہو سکتی ہے۔ سب کا اظہار مختلف ہو سکتا ہے، لیکن سب کا ایک ہی مقصد ہے یعنی تمام دلوں کا خیال رکھنا۔ یہ خیال رکھنا کہ کوئی دل کسی کی غلط حرکت سے ٹوٹنے نہ پائے، اور یہ کہ اس بات کا خیال رہے کہ جو بہترین ہے وہ محبوب کو دیا جائے۔ ان تمام محبتوں کے علاوہ ایک خاص قسم کی بھی محبت ہے جو کبھی بہت عام تھی، مگر اب جس سے صرف چند ہی لوگ واقف ہیں۔ یہ روحانی محبت ہے جو ایک مرشد اپنے مريدوں کو سیکھاتے ہیں، جس کو متبرک محبت بھی کہتے ہیں، یعنی آپ کے محبوب کے لئے مخصوص محبت۔ یہ ایک معیار بھی ہے جس سے جانا جاتا ہے کہ ایک مرشد کتنا کامل ہے۔

اگر کوئی شخص کسی مرشد کی محبت میں بیٹھا ہے، اور اُسے چند ہی لمحات میں اس متبرک محبت کا مزا چکھا یا جائے، تو پھر اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ مرشد، مرشدِ کامل ہے۔ یہ رہنا اپنی میٹھی زبانوں کے ذریعے سیکھاتے ہیں لیکن یہ اُن کا سیکھانے کا واحد طریقہ نہیں ہے۔ حقیقت یہ کہ صرف اُن کی بابرکت صحبت میں حاضر ہونے کے شرف سے ہی اور اُن کی نظرِ محرم کے تیر ہی سے ہزاروں دل ڈھ جاتے ہیں۔

اور اُن مرشدِ کامل کا کیا کہیں جو منوں مٹی تلے محو خواب

ہونے کے باوجود بھی دلوں کے سلطان ہیں؛ اب بھی دلوں کا
 شکار کچھ اس انداز سے کرتے ہیں کہ جب اُن کا تیر دل کے
 پار ہو جاتا ہے تو یہ شکار پھر دُنیا میں کبھی لوٹ کر نہیں آتا،
 اُس کا نشہ کبھی نہیں اُترتا اور اُس کے لب بے اختیار گانے
 لگتے ہیں:

خسرو رین سہاگ کی جاگی پی کے سنگ

تن میرو من پیو کو دو دھیے اک رنگ

اور جب ہم لفظ ”رنگ“ بولتے ہیں، تو ہو سکتا ہے کہ
 عاشقوں کی دنیا میں ایک بھی شخص ایسا نہ ہوگا جو اُس رنگِ عشق
 میں خود کو رنگنا نہ چاہتا ہو جو سلطان المشائخ، محبوبِ الہی،
 حضرت خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے پوری دنیا کو عطا کیا
 ہے۔ جو بھی آپ کے دربار میں ایک بار داخل ہوا، اُسے عشقِ
 الہی کا ایسا جام پلایا گیا جس کے صرف ایک ہی گھونٹ سے دُنیا
 کے تمام رنگ اُس کے وجود سے بٹ جاتے اور صرف محبوب
 اور اُس کے حبیب کے رنگ باقی رہتے۔ اور آخر ایسا کیوں نہ ہو
 جب دل یہ کہنا بند نہ کرے:

رینی پڑھی رسول کی

سُرنگ مولا کے ہاتھ

جن کا چولہ رنگ دیا
 سو دھن دھنوا کے ساتھ
 میں تو ایسورنگ اور نہیں دیکھی ری
 آج رنگ ہے، مورے محبوب کے گھر، رنگ ہے
 اس بدایونی شہزادے نے تو ۶/۵ سال کی عمر میں ہی
 اپنا رنگ دکھا دیا تھا۔ اس حسین سادات کی ولادت ۶۳۶ھ
 کو بدایون میں ہوئی اور مشکل سے ۵ سال کی عمر میں ہی یتیم
 ہو گئے۔ اس کم عمری میں ہی اس معصوم ولی نے فقر و فاقہ کا مزا
 چکھ لیا مگر اللہ نے ان کے ننھے دل میں زبردست قناعت
 ڈال دی تھی۔ کئی دن، بغیر ایک نوالہ منہ میں ڈالے گزر جاتے
 مگر والدہ کے سیکھائے ہوئے صبر و شکر شکایتوں کی نظر نہیں ہونے
 دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ: ”جب کبھی گھر میں فاقہ ہوتا تو
 میری والدہ فرماتیں: آج ہم خدا کے مہمان ہیں!، مجھے یہ الفاظ
 سن کر بڑی خوشی محسوس ہوتی۔ ایک بار کسی صاحب نے کچھ غلہ
 ہمیں دیا، تو کچھ دنوں تک ہمیں روٹی ملتی رہی۔ لیکن میں اس
 سے بیزار ہو گیا اور اُس دن کا انتظار کرنے لگا جب میری
 ماں کہتیں: ”ہم آج اللہ کے مہمان ہیں!“ اور آخر ایسا دن آ گیا
 اور میرے دل کا قرار واپس آ گیا۔“

علاقے کے نامور عالموں سے اپنی ابتدائی تعلیم حاصل کرنے کے بعد آپ کا گھرانہ آپ کی اعلیٰ تعلیم کی خاطر دہلی چلا آیا۔ اللہ نے اس دلی کو ایک اعلیٰ ذہن سے نوازا تھا۔ دوسرے طلبہ جو چیز کئی دنوں میں سیکھتے، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ صرف ایک ہی دن میں اُسے یاد کر لیا کرتے تھے۔ مولانا شمس الدین خوارزمی کی صحبت کا نتیجہ تھا کہ حضرت محبوب الہیؒ نے کئی مشکل دینی علوم کی کتابیں پڑھ ڈالیں۔ آپ نے خاص طور سے ”مقاماتِ حریری“ نامی کتاب کے کئی حصے یاد کئے تھے جو عربی کی ایک نہایت مشکل اور نادر کتاب تھی۔ اس تربیت نے آپ میں خطابت کی صلاحیتوں سے نوازا کہ جب آپ ۱۸ سال کی عمر کو پہنچے تو شہر بھر میں کوئی ایسا شخص نہ تھا جو آپ کا مقابلہ کر سکتا ہو۔ اُس زمانے میں آپ کو مولانا نظام محفل شکن کہا کرتے تھے۔

اُس وقت لوگوں نے آپ کو مشورہ دیا کہ وہ قاضی بن جائیں، لیکن مقدر میں آپ کے لئے دوسرے منصوبے تھے۔ حضرت سلطانجی، شیخ نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ سے ملے، جو اُن کے پڑوس میں رہتے تھے اور جن کے اچھے مراسم بادشاہ سے تھے تاکہ وہ بادشاہ سے اُن کے کام کی سفارش کریں۔

حضرت نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ، بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ کے بھائی تھے، اور آپ کے گرد ایک پُر اثر حالہ تھا۔ اس لئے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کام کی سفارش کرنے کی بجائے اُن سے گزارش کی کہ وہ دُعا کریں کہ وہ کسی جگہ کے قاضی بن جائیں۔ اس پر شیخ نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ نے آپ کی طرف غور سے دیکھا اور کہا: ”بابا قاضی مشو، چیزے دیگر شو“ (یعنی: قاضی نہ بنیں، کچھ اور بنیں۔) یہ شیخ نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی محبت تھی جس میں حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت بابا فرید الدین گنج شکر کا ذکر خیر سنا شروع کیا تھا۔

جب ہم رُوحانی محبت پر گفتگو کرتے ہیں تو ہم دیکھتے ہیں کہ اس کی بہترین مثال اللہ کے دو محبوبین کے درمیان کی محبت ہے۔ یہ وہ مضبوط قوت ہے جو دلوں کو اس طرح جوڑتی ہے کہ انہیں پھر کوئی جدا نہیں کر سکتا۔ ہو سکتا ہے کہ اُن کے درمیان کوئی رشتے داری یا شناسائی نہ ہو۔ حتیٰ کہ انہوں نے کبھی ایک دوسرے کو دیکھا تک نہ ہو، لیکن اس محبت کی کشش اُن کو اس شدت سے اثر کرتی ہے کہ وہ جہاں کہیں ہوں، ہمیشہ ایک دوسرے کے پیش نظر ہوتے ہیں۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مُرشد کا نام

سننے کا واقعہ بیان فرمایا، یعنی جب اُن کے دل کے تار مُرشد کا نام سنتے ہی ہلنے لگے۔ یہ وہ وقت تھا کہ جب مولانا نظام الدین بدالیوں سے دہلی ایک چھوٹے سے قافلے کے ساتھ آرہے تھے جس میں ۴ افراد تھے؛ یعنی حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ، اُن کی والدہ، آپ کی ہمیشہ اور ایک بزرگ جن کا نام تھا مولانا عوض۔ سفر کے دوران اُن کا گزر ایک ایسے جنگل سے ہوا جو کئی رہنوں، چوروں اور جنگلی درندوں کا مسکن تھا۔ مولانا عوض چاہتے تھے کہ جنگل کو دن کے وقت عبور کیا جائے، لیکن دو عورتوں کے باعث اُن کو رفتار دھیمی کرنی پڑی اور اُن کو رات جنگل میں گزارنی پڑ گئی۔ رات کے وقت اگر کوئی پتا بھی کھٹکتا تو مولانا فوراً کہتے: ”اے پیر! تشریف لائیے“ حتیٰ کہ جب وہ شیر کی دھاڑ سنتے تو تب بھی یہی الفاظ دہراتے۔ تو اس طرح یہ الفاظ ساری رات سنائی دیئے۔ جب رات ختم ہوئی اور قافلے نے اپنا سفر شروع کیا تو حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے مولانا عوض سے پوچھا: ”یہ کون پیر ہیں جن کو آپ رات بھر پکارتے رہے ہیں؟“ مولانا عوض نے جواب دیا: ”یہ شیخ فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ ہیں جنہیں میں پکار رہا تھا۔ یہ اُن ہی کا صدقہ ہے کہ اللہ نے ہمارے سفر کو آسان بنا دیا۔“

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اس نام کو پہلی بار سن رہے تھے، لیکن تاہم ایک نہ معلوم کشش نے آپ کے دل کو مغلوب کیا۔ دہلی میں قیام کے دوران، حضرت نجیب الدین متوکل رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت میں یہ کشش بڑھتی گئی جوں جوں آپ اس حسین ولی کے بارے میں سنتے رہے۔ پھر ایک وقت ایسا آیا کہ حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے دنیا بے حرکت ہو گئی۔ یہ وہ وقت تھا جب آپ کی پیاری ماں رحلت فرما گئیں۔ اب اُن کے دل کو کوئی شے بھی سکون نہیں دے سکتی تھی، اُس نقصان کا غم اتنا شدید تھا۔ ایک دن بے قراری کے عالم میں آپ نماز کی ادائیگی کے لئے مسجد تشریف لے گئے اور وہاں آپ نے امام کو یہ آیت تلاوت کرتے سنا: ”کیا ابھی اہل ایمان کے لئے وہ وقت نہیں آیا ہے کہ اُن کے دل اللہ کے ذکر سے جھک جائیں؟“ ان الفاظ نے آپ کے دل کو پھیر ڈالا اور آپ نے اسی وقت جان لیا کہ اُنہیں کہاں جانا ہے، اس لئے وہ حضرت نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اُن سے کہا: ”شیخ، میں اجودھن جا رہا ہوں۔ آپ کی آنکھیں یہی دیکھ رہی تھیں؟“ شیخ نجیب الدین رحمۃ اللہ علیہ مسکرا دیئے اور آپ کے سکون قلب کے لئے دُعا کی اور آپ کو جانے کی اجازت دے دی۔

محبت ایک عجیب جذبہ ہے۔ حقیقت میں اسکی وضاحت
 الفاظ سے نہیں ہو سکتی۔ فقط وہ جو محبت میں گرفتار ہیں، وہی
 اس کے معنی جانتے ہیں اور وہی اس کے احساس کو بیان کر سکتے
 ہیں۔ اُس سفر میں ہر بڑھتے ہوئے قدم کے ساتھ حضرت
 محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ کے دل میں کشش کا اضافہ ہو رہا تھا۔ اگرچہ
 رُوح کی بیقراری ایسی تھی کہ وہ چاہتی تھی کہ لمحوں میں اُڑ کر
 مُرشد کے قدموں میں سر رکھ دیں، لیکن پھر بھی اس سفر میں کئی
 دن لگے، یعنی دہلی سے اجودھن (جو آج کا پاک پتن ہے) کے
 درمیان کا سفر۔ جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دربارِ
 شکر گنج میں داخل ہوئے تو آپ کو لگا کہ اس کے در و دیوار
 سے روحانیت کی بارش برس رہی ہے۔ مُرشد اور مُرید نے
 کبھی ایک دوسرے کو نہیں دیکھا تھا لیکن اُن کے درمیان کوئی
 اجنبیت نہ تھی۔ آنکھیں پہلے کبھی ملی نہیں تھیں، لیکن اُنکی رُوحیں
 تو کب کی آشنا ہو چکی تھیں۔ یہی وجہ ہے کہ مُرشد نے اپنے خلیفہ کا
 ان الفاظ میں خیر مقدم کیا۔

ے اے آتشِ فراقت دل ہا کباب کردہ

سیلاب اشتیاق جاں ہا خراب کردہ

اتیرے فراق کی آگ نے دلوں کو کباب کر دیا اور تیرے شوق کے

سیلاب نے جانوں کو برباد کر دیا۔)

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا سہرا اپنے مُرشد کے قدموں میں رکھ دیا اور پھر وہ سرکبھی وہاں سے نہیں اُٹھا۔ رُوح وہاں پہنچی جہاں اُس کا مقام تھا اور دل کی بے قراری کو آخر قرار آہی گیا۔ پھر بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نے آپ کو محبت کے راز و رموز سیکھا دیئے اور آپ کے سائے عشق کا باب کھول دیا۔ پھر اس (اُن کٹے) نا تراشیدہ ہیرے کو کئی خوبصورت طریقوں سے ضربِ عشق کے ذریعے تراشا گیا، اور اُسے زورِ محبت سے چمکایا گیا اس حد تک کہ کم وقت میں بابا فرید رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کی تیز روشنی ہر سو پھیلتی دیکھ لی۔ آپ کو دہلی کی خلافت عطا ہوئی اور حضرت جمال الدین ہانسی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس سند کی تصدیق کیلئے بھیجا گیا۔ جس وقت حضرت جمال الدین ہانسی رحمۃ اللہ علیہ نے سند کو دیکھا تو فرمایا: ”گوہر سپردہ بہ گوہر شناس“ یعنی: موتی، اُس کے حوالے کی گئی ہے جو اس کی قدر جانتے ہیں۔“

جب حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ دہلی پہنچے تو ہزاروں لوگوں نے آپ سے بیعت لی۔ اُن میں سے ایک آپ کے محبوب مُرید حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ تھے۔

یہ سلطان المشائخ کی ساہا سال کی محنت اور آپ کی

رُوحانی نگاہ کا فیض تھا کہ بہت ہی کم عرصے میں سلسلہ چشتیہ کی جڑیں پورے برصغیر میں پھیل گئیں۔ یہ آپ کی درویشی کا صدقہ تھا کہ ہزاروں افراد صراطِ مستقیم کے مالک بن گئے۔ اس کا اثر اتنا زبردست ہوا کہ بدعت اور بے راہ و روی رفتہ رفتہ ختم ہونے لگیں۔ حتیٰ کے دُنیا پرست بادشاہ علاؤ الدین خلجی کو شراب پر پابندی لگانی پڑی اور فسق و فجور کی بدعت کو ختم کرنا پڑا جو وہاں موجود تھے۔ جو لوگ گناہوں سے دور رہنے کا وعدہ کرتے، اُن سے لِفَاسِ بیعت لی جانے لگی۔ دہلی سے غیاث پور تک (جہاں آپ کا مستقل قیام تھا) سینکڑوں چوترے بنائے گئے تھے۔ ان چوتروں پر پانی وغیرہ کا انتظام تھا جہاں سینکڑوں نمازی نماز پڑھتے یا ذکر و اذکار میں مشغول نظر آتے تھے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ تمام وقتوں کے عظیم صوفی تھے۔ آپ کو فتوحات سے ایسے نوازا گیا تھا کہ آپ کی خانقاہ سے کوئی بھی کبھی خالی ہاتھ نہیں لوٹتا ہے۔ اس کے باوجود ان بزرگ کی درویشی کا یہ عالم تھا کہ آپ اکثر اوقات روزہ رکھتے اور یہ روزہ جو کی ایک روٹی اور نمک کے ساتھ کھولتے۔

کئی ایسے خوبصورت واقعات ہیں جن سے آپ کو اس مرشدِ کامل کی عظمت اور رُوحانیت کا اندازہ ہو سکتا ہے

حالانکہ یہ سب بحر حقیقت کا صرف ایک قطرہ ہیں جو اس دلی کے دل میں ہمیشہ موجزن رہے ہیں۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ سلطان غیاث الدین تغلق نے محسوس کیا کہ حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی شہرت اُس کے تاج و تخت کے لئے خطرہ بن سکتے ہیں اس لئے اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اس دلی کو اپنے علاقے سے باہر کر دیں۔ اُس نے ایک ایسے وقت آپ کو ایک گستاخانہ خط لکھا جب وہ جنگ کے لئے بنگال جا رہا تھا۔ اس خط میں اُس نے حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کو لکھا کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ اپنے فاقہ مست درویشوں کے ہمراہ دہلی سے نکل جائیں تاکہ جب بادشاہ اپنی جنگی مہم سے واپس دہلی پہنچے تو حضرت محبوب الہی وہاں موجود نہ ہوں۔ اگر اُس کے احکام کی تعمیل نہیں کی گئی تو پھر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے پیروکاروں کو سخت سزا دی جائے گی۔ خط کے الفاظ نہ صرف سخت تھے، بلکہ گستاخانہ بھی تھے۔ وہاں موجود سب لوگ جانتے تھے کہ بادشاہ ایک بڑا ظالم حکمران تھا اور دلی کو بھی نقصان پہنچا سکتا تھا۔ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے مشورہ دیا کہ بادشاہ کی داپسی سے پہلے کچھ مناسب انتظامات کئے جائیں۔ اس پر حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا کہ، ”خسرو!“

ہمارے پاس نہ تخت ہے ، نہ کلاہ ، نہ دولت ہے ، نہ سپاہ۔
 پھر کیسے تحفظ حاصل کیا جائے۔ اب تعلق کو راہ راست پر
 نہیں لایا جاسکتا۔ اُس کی سماعتیں بند ہو چکی ہیں ، اور آنکھوں سے
 دیکھنے کی صلاحیت ختم ہو گئی ہے۔ ” پھر آپ رحمۃ اللہ علیہ نے قلم دوات
 طلب کئے ، آپ نے وہ خط اپنے سامنے رکھا جس میں بادشاہ
 کا حکم تحریر تھا اور کچھ دیر سوچنے کے بعد اُس خط کی پیشانی پر
 لکھا : ” ہنوز ولی دُور اُست“ یعنی : ” ابھی دہلی دُور ہے۔“ یہ
 ایک غیر معمولی بات تھی ، کیونکہ بادشاہ کے خط کی پیشانی پر لکھنا ایک
 بڑا جرم مانا جاتا تھا۔ جب بادشاہ کو آپ کا یہ جواب موصول ہوا
 تو اُسے ولی کی جرات پر حیرت ہوئی اور اُسکا غصہ آسمان کو چھونے
 لگا۔ اُس نے کہا : ” شیخ نظام الدین رحمۃ اللہ علیہ ، اب آپ میرے
 غضب سے نہیں بچ سکتے ، دہلی مجھ سے بہت زیادہ دُور نہیں
 ہے۔“ جب بادشاہ کا لشکر بنگال پہنچا ، اُس نے دشمن کی فوج کو
 شکست دی اور ترہٹ کے قلعے کا بھی محاصرہ کیا۔ اُس کے بعد
 شاہی فوج دہلی کی طرف روانہ ہوئی۔ لیکن اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ
 وہاں موت اُس کی منتظر تھی۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کے مُریدین بادشاہ کی
 واپسی کی خبر سن کے خوفزدہ تھے ، لیکن حضرت نظام الدین اولیاءؒ

مسئل کہے جا رہے تھے کہ: ”ہنوز دہلی دُور اُست“ یعنی! ”ابھی دہلی دُور ہے۔“ حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کو یہ بھی خبر ملی کہ بادشاہ کا بیٹا، شہزادہ محمد تغلق دہلی سے نکل کر اپنے باپ کا استقبال کرنے گیا تھا اور افغان پور کے نزدیک ایک شاہی محل بھی تعمیر کیا (جو دہلی کے مضافات میں واقع ہے۔) اس محل کے بارے میں عجیب بات یہ تھی کہ اسے صرف ۳ دن میں تعمیر کیا گیا تھا، اور بادشاہ کو وہاں اپنے لشکر کے ساتھ صرف ایک رات قیام کرنا تھا۔ جب بادشاہ دہلی سے صرف ۴ یا ۵ میل دُور تھا، تو حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مُرشد کے ہاتھ پکڑے کہ وہ کسی محفوظ مقام پر تشریف لے جائیں۔ اس پر حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”اچھا خسرو، تم یوں نہیں مانو گے، مگر تم کر بھی کیا سکتے ہو، جب لوح محفوظ میں یہی رقم ہو گیا ہے۔“ پھر آپ نے اپنے مُریدوں سے فرمایا کہ: ”لال کپڑے سے ڈھکا ایک تر بوز لایا جائے۔ آپ نے وہ تر بوز ایک طشتری میں رکھ کر حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ کے حوالے کیا کہ وہ اُسے سید احمد باہر کے پاس بھیجیں۔ یہ بزرگ ایک ایسے ولی تھے جنہیں لوگ سمجھ نہیں سکتے تھے۔ ہر روز وہ مغرب تک ایک مٹی کی دیوار تعمیر کرتے، اور مغرب ہونے پر اُسے توڑ کر گرا

دیتے تھے۔ دوسری صبح وہ اُسے دوبارہ تعمیر کرنا شروع کر دیتے۔ یہ عمل کئی سالوں سے جاری تھا۔ جب تربوز طشتری پر بزرگ تک پہنچا تو وہ کچھ دیر کے لئے خاموش رہے، لیکن اُن کے چہرے کی رنگت تبدیل ہو گئی۔ پھر انہوں نے حضرت امیر خسرو رحمۃ اللہ علیہ سے فرمایا: ”تمہارے شیخ بھی خوب ہیں، جب کسی کو تاج پہناتے ہیں، تو اپنے ہاتھ سے پہناتے ہیں، مگر جب جنازہ اٹھانے کا وقت آتا ہے، تو ہمیں کہتے ہیں، مگر کیا کریں؟ اُن کا حکم تو ماننا پڑے گا کہ وہ محبوبِ الہی ہیں۔“ یہ کہنے کے بعد بزرگ نے تربوز اٹھایا اور اُسے بڑے غصے اور زور سے دیوار پر دے مارا اور فرمایا: ”برسرِ تعلق!“ یعنی: تعلق کے سز پر!۔ جس وقت یہاں یہ سب ہو رہا تھا تو دوسری طرف سلطان تعلق کا بیٹا اپنے باپ کا استقبال کر رہا تھا اور اُسے نئے تعمیر کردہ محل میں رات کے کھانے کی دعوت دے رہا تھا۔ جب کھانے کی دعوت ختم ہوئی اور بادشاہ ابھی محل میں موجود تھا، تو شہزادے نے فیل بان کو حکم دیا کہ ہاتھیوں کا ایک جتھلے کر محل کی چھت پر لے آئے تاکہ فتح مند بادشاہ کو سلامی پیش کی جائے۔ لیکن چونکہ محل کی بنیادیں ابھی گلی تھیں، وہ ہاتھیوں کا بوجھ برداشت نہ کر سکیں

اور پورا محل زمین بوس ہو گیا، جس کے باعث بادشاہ اور اُس کے بیشتر فوجی مارے گئے۔

حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ کی ”مہنوز دلی دُور است“ والی بات ظالم بادشاہ کے حق میں سچی ثابت ہو گئی۔ محبوبِ الہیؐ اُن سب کے محبوب تھے جو محبت کے معنی جانتے تھے۔ اپنے دُنیا سے پردہ فرمانے سے ۴۰ دن پہلے سے آپ نے کھانا کھانا چھوڑ دیا۔ پھر جمعہ کے دن آپ نے فرمایا: ”آج جمعہ ہے اور دوست کو دوست کا وعدہ یاد ہے!“ پھر آپ نے پوچھا: ”کیا میں نے نماز پڑھ لی ہے؟“ تو سب نے کہا، ”جی ہاں!“ لیکن آپ نے پھر بھی دوبارہ پڑھ لی۔ کئی دنوں تک آپ یہ دہراتے رہے: ”ہم جارہے ہیں، ہم جا رہے ہیں۔ می روئم، وِمی روئم، وِمی روئم“ آخری وقت جب آپ کو دوائی دی گئی تو آپ نے فرمایا: ”عشق کے مریضوں کے لئے دیدارِ دوست کے سوا کوئی دوا نہیں۔“ یہ ۱۸ ربیع الثانی کا دن تھا جب آفتابِ چشتیہ اپنی ابدی دنیا کی جانب روانہ ہو گئے۔

اے اُمتِ محمدی! حضرت محبوبِ الہی رحمۃ اللہ علیہ، اللہ کے خوبصورت ولی تھے جن کے دربار کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے

سللے کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ وہ آپ سب سے بہت پیار
کرتے ہیں اور آپ سب کی نسبت انہی سے ہے۔
اللہ کرے یہ حسین نسبت ابد تک قائم رہے۔ صرف
عاشق ہی دوسرے عاشق کی بات سمجھ سکتا ہے۔

آمین!

ثم آمین



اَدَب

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو واحد عظیم ترین ہے اور جو جسے چاہے زندگی اور موت دیتا ہے۔ اُس کا حکم تمام گھڑیوں کے کانٹوں کو آگے بڑھاتا ہے۔
 درود و سلام رحمتِ کائنات پر، اُن پر جو اپنے رب کے دلبر اور محبت ہیں۔



سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن پر جو سالکین ہیں اور جن کے دلوں میں راہِ سلوک میں زیادہ حاصل کرنے کی تڑپ ہے۔

سلوک ایک آسان راستہ نہیں ہے۔ یہ دنیا کا راستہ نہیں ہے۔ اس لئے اس گمان میں نہ رہیے کہ آپ وہ سب کچھ کر سکتے ہیں جو آپ کا نفس کرنے کے لئے کہے، تاہم آپ کامیابی کے زینے طے کر کے بلندیاں چڑھنے کے قابل ہونگے۔

راہ سلوک تو آپ سے قربانی طلب کرتی ہے آپ کی اپنی، آپ کے گھرانے کی، آپ کے مال کی تاکہ آپ فنائیت حاصل کر سکیں، یعنی وہ مرتبہ جو طریقت کی بنیاد ہے۔ اگر آپ کا دل یہ مقام حاصل نہیں کرتا، تو یاد رکھیں کہ اگرچہ آپ کو طریقت کے طالب کا نام دیا جاسکتا ہے، لیکن پھر بھی آپ کبھی بھی داخلے والے درجے سے آگے نہیں جاسکتے۔ باقی تمام اگلے مرحلوں کو آپ سے پوشیدہ رکھا جائے گا۔ تو فنائیت کا حصول وہ پہلا قدم ہے جو آپ کو اٹھانا ہے اگر آپ کو اس راہ سے کچھ حاصل کرنا ہے۔

کسی بھی عام دنیاوی کلاس کے شاگرد کی مثال لیجئے۔ فرض کیجئے کہ کوئی کسی ایسے گھرانے سے تعلق رکھتا ہے جہاں ایک خاص زبان بولی جاتی ہے۔ اب اگر اسکول چاہتا ہے کہ اُس بچے کو ایک نئی زبان سیکھائے، تو پھر وہ اُس بچے سے چاہے گا کہ وہ اُس زبان کو ممکنہ حد تک زیادہ سے زیادہ استعمال کرے۔ صرف وہی بچے اس کو بہترین طریقے سے سیکھنے کے قابل ہوں گے جو کوشش کریں گے کہ وہ ہر وقت اُس نئی زبان میں بات چیت کریں۔ حتیٰ کہ سوچیں بھی اُس زبان میں۔ صرف ایسے ہی بچے اس میں مہارت حاصل کرنے کے

قابل ہو سکتے ہیں۔ بالکل یہی مثال اُن لوگوں کی ہے جو ایک دوسری دنیا کی زبان اور آداب سیکھنے کے خواہش مند ہیں۔ یاد رکھیے کہ اُس دنیا کے آداب بڑے سخت ہیں، اور یہ بھی یاد رکھیے کہ اُس دنیا کی زبان محبت کی زبان ہے۔ جو یہ جانتے ہیں، صرف وہ لوگ ہیں جو اس راہ پر چلنے والے ہیں۔ یہاں صرف وہی لوگ کامیاب ہوں گے جو اس زبان میں بہارت حاصل کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور جن کی فنائیت انہیں وہ سب کچھ بھلا دینے کو کہتی ہے جو انہوں نے دنیا سے سیکھی تھیں اور صرف محبت کی زبان کو یاد رکھنے کو کہتی ہے۔

کہتے ہیں کہ ایک عاشق کو اپنے محبوب سے والہانہ محبت تھی، لیکن کسی وجہ سے اُن میں جدائی ہو گئی۔ کئی سالوں تک عاشق اس جدائی کی آگ میں جلتا رہا اور رات دن آہ و فغان کرتا رہا۔ ایک دن محبوب نے عاشق کو پیغام بھیجا کہ: ”میں فلاں دن، رات کے اتنے بجے آؤں گا، اس لئے میرا انتظار کرنا جب آدھی رات بیت جائے۔“ عاشق یہ پیغام پا کر نہایت خوش ہوا اور اُس رات اپنے کمرے (گھر) کو معطر اور خوب روشن کیا۔ وہ آدھی رات تک انتظار کرتا رہا، مگر نیند اُس کے انتظار پر غالب آگئی اور وہ سو گیا۔ عین اُس وقت اُس کا محبوب آیا اور عاشق کو

گہری نیند سوتے دیکھ کر کہا: ”یہ بات تو عشق کے اُصول کے خلاف ہے۔ یہ تو اہل عشق میں سے ہرگز نہیں ہے اسلئے کہ جو نظریں محبت کے انتظار میں رہتی ہیں، اُن سے تو نیند کو سوں دُور رہتی ہے۔“ یہ کہہ کر محبوب نے کچھ اخروٹ اپنی جیب سے نکالے اور اُس نقلی عاشق کی جیب میں ڈالے، اور یہ کہتے ہوئے وہاں سے چلا گیا کہ: ”ابھی تم عشق کے میدان میں بچے ہو۔ اس قابل نہیں کہ عشق کے راستے پر قدم رکھو۔ اس لئے اخروٹ کھیلنا کرو۔“

مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ کی حکایات بظاہر معمولی ہیں، لیکن اُن میں حقیقی سبق پوشیدہ ہیں۔ یعنی راہِ طریقت اُن لوگوں کے لئے نہیں ہے جو اپنے دلوں میں دونوں دنیاؤں سائیں رکھتے ہیں۔ یہ بچوں کا کھیل نہیں کہ جو آپ کے دل میں آئے، آپ کر سکتے ہیں۔ اس میں سخت قواعد کی پابندی کرنی پڑتی ہے اور اس میں سخت آداب ہیں جنہیں آپ کو اپنی زندگی کا حصہ بنانا پڑتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہ راہ دنیا کے راستوں سے مختلف ہے۔ جو اس کو سمجھتے ہیں، وہی لوگ ہیں جو ادب کی صحیح پیروی کرتے ہیں۔ لیکن جو لوگ اپنے دلوں کی خواہشات پر چلتے ہیں اور جو خود کو طریقت کے آداب کے مطابق تبدیل کرنا

نہیں چاہتے، تو پھر یہ وہ لوگ نہیں جن کو اہلِ عشق کہا جائے۔
یہ لوگ چاہیں تو خود کو اہلِ طریقت کہلائیں، لیکن اُن کی حالت
وہی ہے، یعنی وہ اپنے محبوب کی آمد کا انتظار کرتے اور اُنکی نیند
اُن کو عشق کی دنیا میں داخل ہونے سے روکتی ہے۔

اس دُنیا کا سب سے اولین قائلہ یہ ہے کہ خود کو
محبوب کے سپرد کر دو۔ آپ کی خواہش صرف وہی ہونی چاہیے جو
آپ کے محبوب کی ہو۔ کم و بیش آپ سب یہ کہنا چاہتے ہونگے
کہ ہماری بھی یہ خواہش ہے۔ لیکن نہایت ایمانداری سے اپنے
دلوں میں جھانک کر کہیں: ”کیا آپ واقعی اپنی خواہشات اور
تمناؤں کے مقابلے میں اپنے اللہ کے فرمان کو پیشِ نظر رکھتے
ہیں؟ آپ نے کتنی بار اُس کے حقوق کو بجالایا اور اپنے بھائی
بندوں کے حقوق کی حفاظت کی؟“

سلوک سے آشنائی آپ کو کم از کم یہ تو سیکھائے گی کہ
اطاعت، رُوحانیت کے دروازے کی چابی ہے، مگر اس
چابی کو کس طرح گھمائیں گے اس کا دار و مدار آپ پر ہے،
یعنی صرف اپنے محبوب کی قربت حاصل کرنے کے لئے اپنا
سب کچھ چھوڑ دینے کے لئے آپ میں کتنی عقیدت اور آمادگی
ہے۔ یہ سپردگی طریقت میں پہلا قدم ہے، یعنی اپنے محبوب

کے آگے اپنا سر جھکانا اور وہی کرنا جو وہ چاہے۔

سُپردگی فنائیت کی طرف لے جاتی ہے۔ جب آپ اس دنیا میں تھے تو آپ کی پوری توجہ اپنے آپ کو خوش کرنے پر لگی ہوئی تھی اور جو آپ کا جی چاہے اُس کو حاصل کرنا تھا۔ لیکن سُپردگی نے آپ کو سکھایا کہ آپ کی اپنی ذات تو بہت دُور چلی جاتی ہے۔ واحد چیز جو باقی رہ جاتی ہے، وہ آپ کے محبوب کی ذات ہے۔ خوش نصیب ہیں وہ لوگ جو اس سبق کو سیکھتے ہیں اور خود کو اپنے محبوب کے قدموں پر ڈال دیتے ہیں۔

انطاکیہ میں حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ ایک پہاڑ پر تھے جہاں انہوں نے ایک مجنون لڑکی کو دیکھا جو ایک موٹا صوف کا جُببہ پہنے ہوئی تھی۔ حضرت ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے اُس کو سلام کیا۔ جواب میں اُس نے کہا: ”کیا آپ ذوالنون ہیں؟“ دلی نے پوچھا: ”آپ کو کیسے پتہ چلا؟“ لڑکی نے جواب دیا: ”اللہ رب العزت کے عرفان سے۔ اچھا ذوالنون! کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ سخا کیا ہے؟“ ذوالنون رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”سخا، بخشش و عطا ہے۔“ لڑکی نے کہا: ”یہ سخا تو دنیاوی ہے۔ مجھے بتائیے کہ مذہبی سخا کیا ہے؟“ حضرت ذوالنون مصری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

”اطاعتِ حق میں سعی اور جدوجہد“ لڑکی نے بولا، ”جب تم اطاعت اللہ میں تیزی کرو، تو ضروری ہے کہ وہ تمہارے دل کی کیفیت دیکھے، تو اس میں کسی عوض کی طلب نہ ہو۔ اے ذوالنون! میں ۲۰ سال سے ارادہ کرتی ہوں کہ اُس سے کچھ طلب کروں مگر مجھے شرم آتی ہے کہ کیا میں بھی اُس بُرے مزدور جیسی بن جاؤں جو کام کے بعد مزدوری کا طلب گار ہوتا ہے، لحاظ میں اس بے نیاز مالک کے جلال و جبروت اور عظمت و کبریائی کی وجہ سے اجرت سے بے نیاز ہو کر عمل کرتی ہوں۔“ اتنا کہہ کر وہ وہاں سے رخصت ہوئی۔

سچی محبت خود غرضانہ مقاصد کے لئے نہیں کی جاتی۔ اگر دل مخلص ہے اور محبوب کی چاہت سچی ہے، تو تب ہی محبت ایسے دل میں داخل ہو سکتی ہے۔ یاد رکھیے کہ جو بھی اس راہ پر قدم رکھتا ہے، تو شروع میں اُس کے وجود پر دنیا کا غبار ہوتا ہے۔ اگر آپ اس لئے اس راہ میں داخل ہوتے ہیں کہ لوگ آپ کی عزت کرنی شروع کریں اور آپ کو بڑا رتبہ دیں اور صوفی کی حیثیت میں آپ کا احترام کریں، تو تیار ہو جائیے کہ بہت جلد آپ کو راہِ طریقت سے باہر پھینک دیا جائے گا۔ اور یہ بھی یاد رکھیے کہ اگر آپ اس مقام پر قدم رکھتے ہیں کہ آپ

کو آخرت کے میوے حاصل ہوں اور آپ کی کھائی جنت کے
 سونے یا چاندی کے محلات ہوں، تو پھر آپ جو چاہتے ہیں
 آپ کو مل سکتا ہے مگر اس سے بڑھ کر آپ کو نہیں ملے گا۔
 لیکن اگر آپ ایک سچے سالک بن کر راہِ سلوک میں داخل
 ہوں گے، تو پھر آپ کے دل کو صرف ایک چیز کی خواہش
 ہونی چاہیے اور وہ ہے آپ کے محبوب کا پُر جمال دُمکنا چہرہ۔
 یہی آپ کی خواہش، آپ کی تمنا، آپ کا سوال اور آپ کی
 منزل ہونی چاہیے۔ یہی آپ کی زندگی کی جستجو ہونی چاہیے۔ جس
 طرح حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے: "دنیا میں ہر شخص
 ایک دوسرے تماشے میں محو تھا، لیکن ہمیں تیرے دیدار کے
 سوا کوئی تمنا ہی نہیں تھی۔ مہربان دوست کے کوچے کے سوا
 میرا کہیں ٹھکانا نہیں ہے، ہمارے سامنے اس سے بڑھ کر
 کوئی دلگشا ہی نہیں۔ زاہد تو چاہتا ہے کہ تیرے ہونٹ جنت
 کی شراب سے تر ہو جائیں۔ میں دن رات کسی اور ہی شراب
 کے لطف میں مست رہتا ہوں۔ چہرے سے برقعہ اٹھا، اور
 بوعلی کو اپنا ایک جلوہ دکھاتا کہ دنیا میں ایک بار پھر عشق کا
 شور برپا ہو جائے۔"

اے سالک! راہِ وفا، اہل دل کا مسکن ہے اُن

لوگوں کے لئے جو اپنی رُوح کی آواز سُننے میں ذرا بھی پس و پیش نہیں کرتے۔ وہ اپنے محبوب کی ایک نگاہ اُلقت کے لئے اپنا سب کچھ قربان کرنے سے نہیں ہچکچاتے۔ وہ جانتے ہیں کہ جس چیز کی وہ خواہش اور تمنا کرتے ہیں صرف اُن کو دی جاتی ہے جو اپنے رب کے آگے اپنا سر جھکانا جانتے ہیں۔ تو یہی لوگ ہیں جو اپنی منزل مقصود پالیتے ہیں۔ وہ جو اُس پر چلتے ہیں جو اُن سے کہا جاتا ہے، اور جو اس راہ کے آداب کو جانتے ہیں۔ یاد رکھیے کہ دلوں میں ہمیشہ ادب رہنا چاہیے۔ یعنی سچے دلوں میں۔ صرف وہ ادب سچا ادب ہے جو ہر وقت دل میں موجود ہے۔ اگر ادب صرف اس لئے ہے کہ یہ اُس جگہ کا تقاضہ ہے، اور یہ تو صرف اُس وقت کیا جاتا ہے، تو پھر اس مصنوعی ادب کی کیا ضرورت ہے؟ ادب دل کی ایک کیفیت ہے، اس لئے یہ ہر وقت انسان کے پاس موجود ہونا چاہیے، اس کا عکس ایک سالک کے طرز زندگی سے دکھائی دینا چاہیے، اُس کے نشست و برخاست، اُس کے کھانے پینے، دوسرے لوگوں سے اُس کے طرز عمل سے، اور خاص طور سے جب وہ اپنے مُرشد کے حضور میں ہو۔ جو اپنے دل سے با ادب ہیں، تو پھر اُن کے ظاہری حیات، یعنی اُنکی آنکھیں،

اُن کے اعضاء، اور اُن کی حرکات سے بھی یہ ظاہر ہوتا ہے۔
 لیکن جو بس با ادب ہونے کا ڈھونگ رچاتے ہیں، اُن کے
 دل اس احترام سے خالی ہیں اور اُن سے غلطیاں سرزد ہوں گی۔
 شہر رقبہ کے ایک بزرگ اپنی مجلس میں کرامات کے
 سلسلے میں کلام فرما رہے تھے۔ ایک بوڑھی خاتون نے، جو
 آپ سے بے تکلف تھی، کہنے لگی، ”یہ دعوے ہی دعوے کب
 تک رہیں گے۔ لوگوں کا یہ حال ہے کہ قحط سے مرے جا رہے
 ہیں۔“ وہ عورت بادشاہ کے بچوں کی تربیت پر معمور تھی۔ شیخ
 سے باتیں کر کے اپنے خچر پر سوار ہوئی اور جانے لگی۔ اچانک
 زور کی ہوا چلنے لگی۔ بادل اُٹھے اور موسلا دھار بارش ہونے
 لگی۔ بڑھتی کا خچر تیز ہوا میں بدکا اور بڑھتی کیچڑ میں گر کر کت
 پت ہو گئی۔ کیچڑ سے اُٹھ کر وہ سیدھے بزرگ کی خدمت میں
 آئی اور کہنے لگی، ”مجھے معلوم ہے کہ یہ بارش آپ کی کرامت
 سے ہوئی ہے، مگر مجھے خچر سے کیوں گروایا؟“ بزرگ نے
 فرمایا، ”وہ تیری بے ادبی سے ہوا۔“

ادب ہمیشہ اطاعت کے بعد آتا ہے۔ یاد رکھیے کہ
 اطاعت دل کی آلائش کو دور کرتی ہے۔ یہ نفس (اَنَا) کو
 توڑتی ہے اور انسان کو دوسروں کے آگے عاجز کر دیتی ہے۔

اطاعت کے معنی ہیں کہ اب آپ کی دُنیا میں بس ایک ہی ہستی ہے، اور وہ ہے آپ کا محبوب، اور آپ کی ہستی اُسی کی بدولت ہے۔ اس طرح یہ اطاعت ادب کی راہ ہموار کرتی ہے۔ ادب، عجز ہے اور اعلیٰ اخلاق ہے۔ ایک مغرور آدمی کس طرح باادب ہو سکتا ہے۔ چاہے وہ جھوٹ موٹ اس کو ظاہر کرے، وہ جلد اپنی یہ اصلیت ظاہر کرے گا۔

ایک سالک کو ادب کی رستیوں کو مضبوطی سے تھامے رکھنا چاہیے تاکہ وہ کبھی نیچے نہ گھر جائے۔ کہا جاتا ہے کہ: اہل اللہ میں سے کسی نے ایک غلام خریدا۔ فرماتے ہیں کہ: میں نے اُس سے جو سوالات کئے، اُس نے اُس کے یہ جوابات دیئے۔

”تمہارا نام کیا ہے؟“ ”میرا نام دُہی ہے جو آپ رکھ دیں۔“

”اور کام؟“ ”جو آپ حکم دیں اس پر عمل کرنا میرا کام۔“ اور

”تمہارا کھانا؟“ ”آپ جو کھلائیں وہی میرا کھانا ہے۔“ ”تمہارے دل کی خواہش؟“ ”آپ کی مرضی ہی میری خواہش ہے۔“ اس کی یہ تین باتیں سُن کر مجھے رونا آگیا اور مجھے اپنے مالکِ حقیقی سے اپنا تعلق یاد آگیا۔ میں نے غلام سے کہا۔ ”عزیزانِ من! تو نے مجھے ربِّ کائنات سے ادب کا سبق سیکھا دیا۔

اے اُمتِ محمدی! ہم ادب کے بارے میں ابد تک

باتیں کر سکتے ہیں، پھر بھی اللہ کے الفاظ کبھی ختم نہیں ہوں گے۔
 اسے یاد رکھیں! ادب عشق سے پہلے آتا ہے۔ اگر ادب ہے تو
 تب ہی عشق ہوگا۔ آج آپ دیکھ رہے ہیں کہ، دُنیا کتنی
 بے ادب ہو چکی ہے۔ اب رشتوں میں احترام نہیں رہا، زوجین
 میں نہیں رہا، والدین اور اولاد کے درمیان نہیں رہا، یعنی
 ایک دوسرے کے درمیان، قطع نظر، چاہے کوئی بھی ہو،
 سب میں صرف نفس ہی کا اعمال اور الفاظ پر راجح ہے۔

اہلِ طریقت کئی صورتوں میں اہل دنیا سے مختلف یا ممتاز
 ہو سکتے ہیں، لیکن اُن کے جاننے کا اہم ترین ذریعہ اُنکا ادب
 ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو ان محفلوں میں بیٹھنے کی اجازت
 دی جاتی ہے، تاکہ آپ زیادہ سے زیادہ اہلِ دل کا ادب
 کرنا سیکھیں۔ ادبِ اخلاص ہے، ادبِ اخلاق ہے، یہ سچ
 ہے کہ بے ادب، بے نصیب اور با ادب، بالنصیب ہے۔

خود کو اپنے اللہ کے سپرد کرو، اور سلوک کی راہ پر چلو
 جس طرح کہ آپ کے رسول ﷺ نے عاشقین کو سکھایا ہے۔
 اُن کے نقش قدم پر چلو اور اُن سے ادب کرنا سیکھو۔ بھلا
 اللہ کے محبوب ﷺ سے بڑھ کر با ادب کون ہو سکتا ہے؟
 مجلسِ اولیاء سے بھی یہ ادب جھلکتا ہے، اور محفلِ

مُرشدین میں بھی ان ہی قواعد کی پیروی ہوتی ہے۔ ادب کا سبق
سیکھیں، تب ہی عشق دل میں داخل ہوگا۔

آمین!

تم آمین



۲۲ مارچ ۲۰۱۳ء

(۲۷۱)

۹ جمادی الاول ۱۴۳۴ھ

موت ایک حقیقت

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو اُن سب کا محبوب ہے جو جانتے ہیں کہ محبت کیا ہے۔ یہی وہ واحد ذات ہے جس نے دُنیا کو عشق کی دولت عطا کی ہے، اور وہ یہ دولت صرف اُن دلوں کو بخشا ہے جو اس کے لائق ہیں۔

دُرود و سلامِ رحمتِ یزدانی پر، اُن پر جن کے پاس کائناتوں کی کُنجیاں ہیں اور جو اپنے رب کے محبوبِ عظیم ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت پر جو ہمیشہ اس نسبت کے باعث متبرک ہیں۔

زندگی کا راستہ ایک طویل راستہ ہے۔ یہ سیدھا اور آسان راستہ نہیں ہے۔ حقیقت میں اس راستے سے بڑھ کر کوئی اُلجھی ہوئی شے نہیں ہو سکتی ہے۔ جو چیزیں بظاہر قریب دکھائی دیتی ہیں وہ حقیقت میں بہت دُور ہیں جبکہ وہ چیزیں جو دُور دکھائی دیتی

ہیں ، وہ دراصل بہت قریب ہیں ۔ دنیا کے لوگ غلطی سے اس راستے کو اپنی منزل سمجھتے ہیں ۔ یہی وجہ ہے کہ وہ اس بات پر اپنی توجہ مرکوز رکھتے ہیں کہ کس طرح اس سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کر سکیں ۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی سمجھے کہ دن کی روشنی ہمیشہ اُس کے سامنے رہے گی ۔ اگر کوئی صرف اسی کو پیش نظر رکھتے ، اور رات کے وجود سے انکار کرے ، تو پھر ظاہر ہے کہ یہ اُس کی اپنی حماقت ہے ۔ یاد رہے کہ جو چیز شروع ہوتی ہے ، وہ ختم بھی ضرور ہوگی ۔

اگر آپ رات کے لئے آمادہ نہیں ہیں ، تو پھر آپ تاریکی میں کس طرح چلیں گے اور رات کی مشکلات سے کیسے نمٹ سکیں گے ؛ دن کے وقت آپ کو چاہیے کہ رات کے لئے خود کو تیار کریں ۔ صرف وہ لوگ ہی اچھی طرح تیار ہو سکتے ہیں جو خبردار ہیں کہ گر دوپیش کیا ہو رہا ہے ، اور جو جانتے ہیں کہ دن کے خاتمے پر رات ناگزیر ہے ۔

زندگی کی رات اصل میں اس دنیاوی عرصہ حیات کا خاتمہ ہے جو برزخ کے اُس درمیانی عرصے کا آغاز ہے جس کا سامنا کرنا سب کے لئے ناگزیر ہے ۔ برزخی وقت (عرصے) کے آسائش یا تکلیف کا دار و مدار اس بات پر ہے کہ اُس کیلئے آپ کتنے مستعد

اور تیار ہیں اور کتنا توشیحِ زاہدِ راہِ آپ اپنے ساتھ لائے ہیں۔
 کم و بیش آپ سب جانتے ہیں کہ زندگی کس طرح ختم
 ہو سکتی ہے۔ آپ سب نے اپنے مُردے دفنائے ہیں اور
 جانتے ہیں کہ مرنے کے لئے کوئی وقت مقرر نہیں ہے۔ موت
 ہر ایک کے پاس کسی بھی وقت آ سکتی ہے۔ لیکن پھر بھی دل
 ان خیالات سے "عاری" ہیں اور دماغ اس صورتِ حال کی
 سنگینی کو سمجھنے سے قاصر ہے۔ اگر آپ بنی آدم معقولیت سے سوچ
 نہیں سکتے تو کم از کم حیوانوں سے سیکھیں جو ہر وقت اپنے
 سخت وقتوں کیلئے تیار ہیں۔ وہ غذا جمع کرتے ہیں اور محفوظ
 اشیاء کی تلاش کرتے ہیں جب ماحول اُن کے لئے دوستانہ
 ہو۔ وہ جانتے ہیں کہ چند مہینوں میں اُنہیں مشکل وقتوں کا
 سامنا کرنا پڑے گا اور بہت ممکن ہے کہ وہ اپنی حفاظت کرنے
 کے قابل نہ ہوں اُس موسم میں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ جو اچھے
 وقتوں میں محنت کرتے ہیں، اپنے مشکل وقتوں میں اُس کا
 فائدہ اٹھاتے ہیں۔ رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: "دنیا میں
 اس طرح رہ گویا تو پردیسی ہے، بلکہ (پردیسی سے بھی بڑھ کر)
 راستہ چلنے والے کی طرح رہ۔" حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما نے اسکی
 وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے: "جب شام ہو جائے تو صبح کا

انتظارِ موت کر، اور جب صبح ہو جائے تو شام کا انتظار مت کر۔ اور اپنے تندرستی کے زمانے سے مرض کے زمانے کے لئے نیک عمل کر کے رکھ، اور اپنی پوری زندگی سے موت کے لئے عمل کر کے رکھ۔“

اس کا مطلب ہے کہ زندگی بھر کرنے کے لئے آپ کے پاس بہت سارا کام ہے، یعنی آخرت کی بہتری کیلئے کام، سفرِ آخر کے لئے زادِ راہ جمع کرنے کا کام۔ وہ جو زندگی بھر اس کو اپنی ترجیح بناتے ہیں، آخر میں کامیاب ہوتے ہیں، لیکن وہ جو صرف وعظِ سنّتے ہیں اور گھر جا کر سو جاتے ہیں، اُن کو بلاشبہ دونوں جہانوں میں پچھتاوا ہوگا۔

موت برحق ہے اور ایسا کوئی نہیں جو اس سے بچ سکتا ہو۔ جب حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ ایک مقبرے پر گئے، تو آپ نے یہ آیتیں شروع کیں: ”میں نے قبروں کے پاس آکر نِدادی کی عظمت والے اور حقیر کہاں ہیں؟ اپنی بادشاہی پر ناز کرنے والے کہاں ہیں؟ اور فخر سے اپنی تعریف کرنے والے کہاں ہیں؟“ حضرت مالک بن دینار رحمۃ اللہ علیہ نے کسی کو کہتے ہوئے سنا، جسے وہ سن سکتے تھے لیکن دیکھ نہیں سکتے تھے: ”سب فنا ہو گئے ہیں، کوئی بتانے والا نہیں

رہا۔ یہ خود بھی اور اُن کی خبر بھی مڑھکی ہے۔ مٹی کے بیٹے
 (اہل قبور) صبح و شام کرتے ہیں۔ پس اُن صورتوں کی خوبصورتیاں
 مٹ جائیں گی۔ اے گزرے ہوئے لوگوں کے متعلق سوال
 کرنے والے! کیا تو جو کچھ دیکھ رہا ہے، اس میں تیرے لئے
 سامانِ عبرت نہیں ہے؟“

مجھے بتائیے کہ وہ متبرک سر کہاں گئے، جو اپنے سروں
 پر تاج بادشاہی سجائے رکھتے تھے؟ بلاشبہ وہ سب ندامت اور
 ذلت کا حصہ ہیں۔ وہ سارے ہاتھ کہاں گئے جو کمزوروں پر
 اٹھائے جاتے تھے اور جنہیں اپنی قوت اور طاقت پر گھمند
 تھا؟ بلاشبہ وہ اب زمین کی حقیر مٹی کا حصہ ہیں۔ وہ ساری
 زبانیں کہاں گئیں جو بڑی بے شرمی سے اپنی بڑائی بیان کرتی
 تھیں اور خود اپنی تعریفیں کیا کرتی تھیں؟ بلاشبہ وہ بھی مارے
 شرم اور افسوس کے خاموش اور بے آواز ہیں۔ یہ سچ ہے کہ
 جو مٹی سے بنائے گئے تھے، وہ آخر مٹی میں ہی واپس جائیں
 گے۔ کوئی بھی اپنی واپسی کو روک نہیں سکتا، کوئی بھی اس قابل
 نہیں ہوگا جو اُن کی مدد کر سکے یا اُن کو اُن کے اندھیرے
 گھروں سے باہر نکال سکے۔ وہ اُس وقت تک وہاں رہیں
 گے جب تک صورِ اسرافیل نہ پھونکا جائے گا، جب تک کہ

وہ خود بھی قیامت کا مزانہ چکھ لیں۔

پھر کیا وجہ ہے کہ اُن کے سرِ غرور و فخر میں اتنے اونچے
ہیں؟ آخر یہ زبانیں کیوں بے شرمی سے ابھی تک وہی کہے
جارہی ہیں جو اُن کے دل میں آتا ہے، کیوں یہ سبق اب تک
نہیں سیکھا گیا ہے؟ یہ آنکھوں کی طمع ہے، دل کی حرص ہے اور
آپ کے جسموں کی لالچ ہے جو آپ کو اندھا، بہرہ اور گونگا بنا
دیتی ہے، جو آپ کی روح کی موت کا باعث ہیں اور آپ میں
صرف اس دُنیا کا احساس چھوڑتے ہیں۔ یہ آپ کی آنکھوں کو
صرف اس دُنیا کے رنگوں تک محدود رکھتی ہیں، اور آپ سے
نورِ حقیقت کو چھپا دیا دیتی ہیں۔ وہ آنکھیں جو بند ہیں اور جو
کھلنا نہیں چاہتیں، وہ بھلا حقیقت کو کس طرح دیکھ سکتی
ہیں؟ وہ حقیقت جو اس زمین کی ابتدا سے ہی موجود ہے اور
آخر تک موجود رہے گی۔

رسول اللہ ﷺ ایک مرتبہ ایک مسجد میں داخل ہوئے
جہاں لوگوں کا ایک گروہ باتوں اور ہنسی، مذاق میں مصروف
تھا۔ حضور ﷺ نے فرمایا: ”اُس ذات کی قسم جس کے ہاتھ
میں میری جان ہے، جتنا (میں موت کے متعلق) جانتا ہوں،
اگر اتنا تمہیں بھی معلوم ہو جائے تو تم ہنسو کم اور روؤ زیادہ۔“

ایک مرتبہ آپ نے یہ بھی فرمایا : جب آپ سے پوچھا گیا کہ : ” لوگوں میں دانا اور محترم کون ہے ؟ “، تو آپ ﷺ نے جواب میں فرمایا تھا کہ : ” جو سب سے زیادہ موت کو یاد کرتا ہے اور سب سے زیادہ شدت کے ساتھ اُس کے لئے تیاری کرنے والا ہے ۔ وہی دانا ہے جو دنیا سے شرف اور آخرت کی عزت لے گا۔“ اس مثال کو یاد رکھیں کہ : ” دریا کے ساحل پر کھڑا شخص اپنی کشتی کا منتظر ہے ۔ اُسے کچھ دھاگے اور رسیاں دی گئی ہیں جن سے وہ اپنا جال بُن سکتا ہے ۔ لیکن جال بنانے کے بجائے وہ ساحل پر ریت کے گھر بنانا شروع کر دیتا ہے ۔ پہلے وہ چھوٹے مکان بناتا ہے ، پھر وہ خود کو بڑے مکان بنانے میں مصروف رکھتا ہے ۔ وہ اپنا تمام وقت اسی مشغلے میں صرف کرتا ہے حتیٰ کہ سفر کے لئے اُس کی کشتی کے آنے کا وقت ہو جاتا ہے ۔ لیکن اُس وقت بھی وہ ساحل کو چھوڑنا نہیں چاہتا اور وہ اب بھی اُن ریت کے قلعوں کی تعمیر کو جاری رکھنا چاہتا ہے ۔ پھر اُسے زبردستی کشتی میں بیٹھا دیا جاتا ہے ۔ لیکن کس حال میں ؟ وہ کشتی میں خالی ہاتھ سوار ہوتا ہے ، نہ اُس کے پاس کوئی جال ہے اور نہ سفر کے لئے کوئی زادِ راہ ۔ اُس کی حماقت نے اُسے ریت کے قلعے تعمیر کرنے کی لذت پر لگائے رکھا تھا ، وہ قلعے جو سمندر کی ایک

ہی لہر سے بہہ جائیں گے۔ مگر اُسے اپنی بقا کیلئے درکار سامان، یعنی جال اور زادِ راہ کو وہ بھول گیا۔ کیا آپ ایسے شخص کے حشر کے بارے میں اندازہ لگا سکتے ہیں، ایک ایسا شخص جس نے اپنے ہی ہاتھوں ایسا قیمتی وقت ضائع کیا اپنی غفلت اور جہالت کی وجہ سے۔

کہتے ہیں کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے سامنے جب موت کے متعلق گفتگو ہوتی تو آپ کی جلد سے خون ٹپکنے لگتا تھا، اور جب اس کا تذکرہ حضرت داؤد علیہ السلام کے سامنے ہوتا تو وہ اس زور سے روتے کہ اُن کے جوڑ اُکھڑ جاتے۔ صرف جب رحمت کی گفتگو کی جاتی تو تب ہی آپ کی رُوح کو قرار ملتا۔

حضرت ربیع بن خسیم رضی اللہ عنہ نے اپنے گھر میں ایک قبر کھود ڈالی تھی۔ روزانہ وہ کئی بار اُس میں لیٹتے، تاکہ موت کو یاد کرتے رہیں۔ آپ رضی اللہ عنہ فرمایا کرتے تھے کہ: ”اگر ایک ساعت کیلئے بھی موت کی یاد میرے دل سے دُور ہو جائے تو دل بگڑ جائے گا۔“ حضرت موسیٰ تمیمی رضی اللہ عنہ نے ایک بار فرمایا کہ: ”جب فرزوق کی بیوی کا انتقال ہوا، تو اُسکی تدفین میں بصرہ کے کئی مشہور سرداروں نے شرکت کی جن میں حضرت امام حَسَن بصریؒ بھی شامل تھے۔ امام حَسَن بصریؒ نے پوچھا: ’اے ابنِ فراص! آپ نے اس دن کی

تیار کی طرح کی ہے؟۔ فرزدوق نے جواب دیا: 'سات برس سے لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ کی گواہی۔' "پھر جب بیوی کی تدفین مکمل ہوئی، تو آپ نے کھڑے ہو کر یہ اشعار پڑھے: 'قبروں کے پاس رُک کر اُن کے سرہانے کھڑے ہو کر پوچھو، تم میں سے کون قبر کی تاریکیوں میں دھنسا ہوا ہے؟ اور تم میں سے کون قبر کی گہرائیوں میں معزز ہے جس نے قبر کی سختیوں سے امن کی ٹھنڈک چکھی ہو۔ سکون آنکھ والوں کے لئے ہے۔ ایک یہ سکون ہے جس کے درجات کی برتری ظاہر نہیں ہوتی۔ اگر وہ تمہیں جواب دے سکتے تو زبانوں کے ساتھ تمہیں بتاتے۔'

فرمانبردار تو باغات میں ہے اور باغ کے درختوں میں جہاں چاہتا ہے چہل قدمی کرتا ہے۔ اور مجرم سرکش گہرے گڑھے ہی میں کوٹ پوٹ ہو رہا ہے اور اسی کے سانپوں کے ساتھ پناہ لے گا۔ اور بچھو اس کی طرف دوڑتے ہیں اور بچھوؤں کے ڈسنے کی وجہ سے اُس کی رُوح سخت عذاب میں ہے۔ "اللہ کے محبوبین لمبی عمر کی تمنا نہیں کرتے۔ کوئی بھی اپنی اُمیدیں اس دنیا سے نہیں لگاتا۔ جس طرح کہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا: "کل کیلئے روزی بچا کے نہ رکھو، کیونکہ اگر تم کل زندہ

رہو گے تو تمہارا رزق بھی تمہیں کل ملے گا ، اور اگر کل تمہاری
 زندگی نہیں رہی تو دوسروں کے لئے اُسے جمع کرنے کا کیا فائدہ۔
 یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت اَسودِ حَسَبی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ نماز پڑھتے وقت اِرْدَرْدِ
 دیکھا کرتے تھے۔ لوگوں نے اُن سے پوچھا کہ : ”آپ کس کو دیکھتے
 ہیں ؟“ وہ جواب دیتے : ”میں مَلَكُ الْمَوْتِ کا منتظر ہوں ، اس
 لئے دیکھتا ہوں کہ وہ کس طرف سے آرہے ہیں۔“ رسول اللہ ﷺ
 نے اُمت کو ہدایت فرمائی تھی کہ : ”نیک کام کرنے میں جلدی کرو
 اور ایک ایک دم کی جوار سے مہلت ملتی ہے اُسے غنیمت جان۔“
 رسول اللہ ﷺ نے یہ بھی فرمایا : ”پانچ چیزوں کو پانچ چیزوں سے
 پہلے غنیمت جانو۔ جوانی کو بڑھاپے سے پہلے ، تندرستی کو بیماری
 سے پہلے ، تو نگری کو محتاجی سے پہلے ، فراغت کو شغل سے
 پہلے ، اور زندگی کو موت سے پہلے۔“ حضرت حذیفہ رَضِيَ اللهُ عَنْهُ سے
 روایت ہے کہ ہر صبح ایک سنادی دینے والا آواز لگاتا : ”اَرَجِيلُ،
 اَرَجِيلُ، کُوچِ دَرِپِيشِ ہے ، کُوچِ دَرِپِيشِ ہے۔“

اسی طرح حضرت داؤد طائی رَضِيَ اللهُ عَنْهُ کو ایک مرتبہ نماز کی
 طرف دوڑتے ہوئے دیکھا گیا : آپ سے پوچھا گیا کہ : ”آپ
 کو اتنی جلدی کیوں ہے؟“ آپ نے فرمایا : ”اسلئے کہ شہرِ نپاہ کے
 دروازے پر پورا ایک لشکر میرے انتظار میں ہے۔ یعنی قبرستان

کے تمام مُردے میرے انتظار میں ہیں۔ وہ اُس وقت تک نہیں جائیں گے، جب تک وہ مجھے اپنے ساتھ نہیں لے جاتے۔“ یہ بھی روایت ہے کہ: حضرت ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ بہت زیادہ مشقت کا کام اور ریاضت کیا کرتے تھے۔ جب آپ کی زندگی کافی ڈھل چکی تھی کسی نے اُن سے کہا کہ اتنی مشقت نہ کیا کریں! اس پر حضرت موسیٰ رضی اللہ عنہ نے جواب میں فرمایا: ”گھوڑے کو جب دوڑاتے ہیں، تو آخر میدان میں وہ اپنا تمام زور کر لیتا ہے اور یہ میری عمر کا آخری میدان ہے اور موت قریب پہنچ چکی ہے۔ تو پھر میں بھی اپنی محنت اور ریاضت اسی طرح کیوں نہ کروں؟“

اے اُمت محمدی! یاد رکھیے کہ زندگی کا آخری وقت، یعنی جان کنی کا وقت جب رُوح کو جسم سے الگ کیا جاتا ہے، یہ ایک نہایت سخت وقت ہوتا ہے۔ بالکل اسی طرح فرض کریں کہ کوئی دشمن کسی دن آ کے پوری قوت سے آپ پر حملہ کرے۔ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ کوئی دشمن نہ آئے، مگر یہ نہ گزیر ہے کہ ملک الموت آپ کے مکان میں داخل نہ ہو اور وہ عمل کرے جو سب کے ساتھ ہوتا آرہا ہے۔ کیا آپ اُس دن کیلئے تیار ہیں؟ حقیقت کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی یہ دُعا مانگا کرتے تھے کہ: ”اے اللہ! محمدؐ پر سکرات و موت آسان فرما دے۔“ یہ الفاظ اُمت کی یاد دہانی کے لئے ہیں کہ:

”قبر، آخرت کی پہلی منزل ہے، اگر اس میں آسانی گزری تو جو کچھ اس کے بعد ہونے والا ہے وہ بہت ہی آسان ہوگا۔ اور جو قبر میں ہی دشواری ہوئی تو جو کچھ بعد ہونے والا ہے، وہ بہت ہی دشوار اور سخت ہوگا۔“

اے اُمتِ محمدی! یہ نہ بھولیئے کہ ہر ایک کو مرنا ہے۔ یہاں کوئی بھی ہمیشہ کے لئے نہیں رہے گا۔ جو لوگ اپنی موت کو ہر وقت یاد کرتے رہتے ہیں، وہ کم از کم گناہ کرتے وقت تھوڑا سا شرمندہ تو ہوں گے۔ ہمیشہ توبہ کیا کریں اور اپنے آخری سفر کے دورانہ کی تیاری جاری رکھیے۔ کون جانے یہ دنیا کا سفر کب ختم ہو! یہ ایک نہایت ضروری نصیحت ہے: ”جس نے آج کی بات کو گرہ میں باندھ لیا وہ سُرخرو ہو گیا“ کم از کم جب نکلے الموت آجائے تو آپ کو صدمہ نہ ہو، اور آپ اُس کیلئے تیار نہ ہوں؟ یہ بات ہر وقت یاد رکھیں کہ آخری سانس آپ سے زیادہ فاصلے پر نہیں ہیں۔ تو اپنی سانسیں اللہ کی اطاعت میں استعمال کریں۔ یاد رکھیئے کہ وقت اور موت کسی کا انتظار نہیں کرتے۔

سب ٹھاٹ پڑا رہ جائے گا
جب لاد چلے گا نخبارہ

اللہ تعالیٰ ہمارے ایمان کو استحکام بخشنے اور ہمیں اس
زمین پر آخری لمحات میں رسول اللہ ﷺ کی شفاعت نصیب
فرمائے۔

آمین!

ثم آمین



حالات کا بہاؤ اور ہماری کوتاہ نظری

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو ربّ ذوالجلال ہے۔ وہ ذاتِ واحد جو عالمین کا مالک ہے اور جس کا حکم زمین اور آسمانوں پر چلتا ہے۔
درود و سلام اللہ کے محبوب پر جو جنت کے سلطان اور باعثِ تخلیق کائنات ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو ان سب پر جو اپنے اللہ کا شکر ادا کرتے ہیں اور جو جانتے ہیں کہ دلوں کا عجز کردار کو قوت بخشا ہے۔

وقت بڑی تیزی سے گزر رہا ہے جس کے باعث سال گھٹ کر مہینے ہو گئے ہیں، مہینے سکڑ کر ہفتے بن گئے ہیں، ہفتے کم ہو کر ایک دن بن گئے ہیں، اور دن ایک بجھتی ہوئی شمع کے مانند گزر جاتا ہے۔ اس طرح ہے وقت

کی رفتار۔ اُس کے باوجود دل ہیں کہ دُنیا میں لگن ہیں، اپنی دنیاوی لذتوں میں مشغول ہیں اس بات کا لحاظ کئے بغیر کہ وہ اپنا بہت زیادہ وقت بے کار مشاغل میں برباد کر رہے ہیں۔

کیا انہوں نے نہیں دیکھا کہ ”گھڑی“ کم و بیش اُن کے سُرور پر پہنچ چکی ہے اور میزان کو بہت جلد بنی آدم کے نویشۂ عمل سے بھر دیا جائے گا۔ وہ دن جلد آنے والا ہے جب سچے دلوں کے اعمال نامے اُن کے سیدھے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے جبکہ بدقسمتوں کو اُن کے اعمال نامے اُن کے اُٹے ہاتھوں میں دیئے جائیں گے۔

یومِ حساب ایک نہایت سخت وقت ہوگا اُن سب کے لئے جو کبھی زندہ رہے ہیں۔ یہ احتساب کا دن ہے اور ایک بہت ہی تباہ کن دن ہوگا۔ اُس دن کی وسعت کی ایک جھلک سورۂ نباء (۲۲-۱۷) میں دیکھی جاسکتی ہے:

”بے شک فیصلے کا دن ایک معینہ وقت ہے جس دن صور پھونکا جائے گا تو تم گروہ در گروہ آؤ گے اور آسمان کھل جائے گا تو دروازے ہی دروازے ہوں گے، اور پہاڑ ہٹائے جائیں گے، تو وہ ریت کی طرح ہو جائیں گے۔ بلاشبہ دوزخ ایک گھات میں ہے۔ سرکشوں کیلئے ایک ٹھکانہ ہے۔“

بھلا کون ایسا کبھی سوچ سکتا ہے کہ دُنیا دیر تک قائم رہنے والے فائدے دے گی۔ دُنیا تو خود ایک بڑھتی جا رہی ہے جو قبر میں اپنے پاؤں لٹکائے بیٹھی ہے اور اپنی آخری سانسوں کو بڑی بے تابی سے گن رہی ہے اور اُس کا فریب اتنا ظالمانہ ہے کہ یہ خود کو ہر ایک کے سامنے ایک جوان دلہن کے طور پر پیش کرتی ہے۔ لیکن حقیقت میں وہ سوائے جھوٹے وعدوں کے اور کچھ نہیں کر سکتی۔ ہزاروں لوگ فریب کے ان الفاظ کے سحر میں آجاتے ہیں اور اُس کے جال میں پھنس جاتے ہیں اور اِس طرح اُن کے دونوں جہانوں کی زندگیاں تباہی کا شکار ہو جاتی ہیں۔

لیکن اب بھی ایسے بہت سے لوگ ہیں جو اُسکے شکنجے میں نہیں آنا چاہتے، جو خود کو ابدی تباہی سے بچانا چاہتے ہیں۔ وہ دونوں دُنیاؤں کی بہترین نعمتیں چاہتے ہیں، لیکن دُنیا کی کشش اُن کو سُست اور کاہل بنا دیتی ہے۔ اُن کے دل تو چاہتے ہیں کہ وہ اللہ کی راہ کی طرف بڑھیں، لیکن دُنیا کی لذتیں اُنہیں ایسا کرنے سے روکتی ہیں۔ دُنیا اُنہیں بتاتی ہے کہ ابھی ایک ”کل“ بھی ہے جس میں وہ آخرت کے لئے اپنی عبادات کر سکتے ہیں۔ دُنیا اُنہیں یہ بھی بتاتی ہے کہ زندگی اتنی مختصر ہے، تو پھر

کیوں نہ اُس سے بھرپور لطف اُٹھایا جائے؟
 ذرا اپنے اطراف نگاہ اُلٹا کر تو دیکھیں، کیا آپ کو اس
 دنیا میں دُجال کا فریب ہر جگہ پھیلتا نظر نہیں آتا؟ اُس کے
 پیروکار رات دن معصوم دلوں کو دھوکہ دینے میں لگے ہوئے ہیں۔
 ایک عجیب بلبل اور افراتفری مچی ہوئی ہے۔ دُنیا کے رنگ
 اب بہت روشن ہو گئے ہیں اور دل بٹھا دینے والے گیت اور
 سنگیت بہت زیادہ جادو اثر ہو چکے ہیں۔ کانوں کو بہرا کر دینے
 والا ایک شور برپا ہے اور لوگ سرا سیمما ہو کر دائروں میں دوڑ
 لگا رہے ہیں۔ وہ سمجھتے ہیں کہ وہ دنیا سے بہترین ثمرات
 حاصل کر سکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ وہ رات دن مشینوں کی طرح
 کام کر رہے ہیں۔ اُن کو خدشہ ہے کہ وہ اگر ایسا نہیں کریں
 گے تو پھر دنیا اُن سے چھن جائے گی۔ وہ خالی ہاتھ رہ جائیں
 گے اور اُن کے بچوں کا مستقبل تاریک ہو جائے گا۔ یہی وجہ
 ہے کہ ہر طرف بددیانتی، رشوت، دھوکہ اور شراب نوشی کا
 بازار گرم ہے۔ وہ اپنے لئے دنیا کی خریداری میں اتنے مصروف
 ہیں کہ انہوں نے اپنے بچوں کو گھروں میں اکیلے چھوڑ دیا ہے۔
 والدین، یعنی ماں باپ، دونوں دفتروں میں ہیں جبکہ بچے اپنے
 ماحول میں تنہا۔ والدین نے بچوں پر نگرانی کا عمل ڈھیللا کر دیا

ہے۔ اُن کے خیال میں اگر وہ اپنے بچوں کو کسی چیز سے روکیں گے تو یہ عمل بچوں کی شخصیت کو متاثر کرے گا، اور وہ اُن کی خود اعتمادی کو چھیننے کا سبب بنیں گے۔ والدین کو اپنے بچوں کے ساتھ نہ ہونے کا احساس جرم ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ انہیں تحفے دیتے ہیں اور اُن کے مطالبات پورے کرتے ہیں۔ وہ اُن پر کوئی پابندی نہیں لگاتے کیونکہ کون اُن پابندیوں پر عمل درآمد کی نگرانی کرے گا جب والدین خود ہی گھر پر موجود نہیں ہوں گے۔

آج کے دور میں دُنیا بچوں کے لئے بڑی ظالمانہ بن گئی ہے۔ اُن کو ایسے نظاروں اور خیالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کو وہ سمجھ نہیں سکتے، لیکن پھر بھی اُنہیں اس کا ادراک ہے۔ بچوں نے اپنے والدین کو بھی دھوکہ دینا سیکھ لیا ہے۔ انہوں نے یہ دھوکے بازی اپنے بڑوں سے سیکھی ہے۔ اگر اُن کے والدین یہ کر سکتے ہیں تو پھر وہ اس طرح کیوں نہیں کر سکتے؟ اُن کے ارد گرد ہر جانب گناہ اور عصیاں ہیں، جو سماج کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔ یہ بُرائیاں جو کبھی مسلمانوں کے لئے قابلِ نفرت تھیں اب اُن کی زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔ شراب، رشوت، فحاشی اور دھوکہ بازی کچھ گھرانوں میں سیکڑے رائج الوقت بن

ہے۔ اُن کے خیال میں اگر وہ اپنے بچوں کو کسی چیز سے روکیں گے تو یہ عمل بچوں کی شخصیت کو متاثر کرے گا، اور وہ اُن کی خود اعتمادی کو چھیننے کا سبب بنیں گے۔ والدین کو اپنے بچوں کے ساتھ نہ ہونے کا احساسِ جرم ہے، یہی وجہ ہے کہ وہ انہیں تحفے دیتے ہیں اور اُن کے مطالبات پورے کرتے ہیں۔ وہ اُن پر کوئی پابندی نہیں لگاتے کیونکہ کون اُن پابندیوں پر عمل درآمد کی نگرانی کرے گا جب والدین خود ہی گھر پر موجود نہیں ہوں گے۔

آج کے دور میں دُنیا بچوں کے لئے بڑی ظالمانہ بن گئی ہے۔ اُن کو ایسے نظاروں اور خیالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے جن کو وہ سمجھ نہیں سکتے، لیکن پھر بھی انہیں اس کا ادراک ہے۔ بچوں نے اپنے والدین کو بھی دھوکہ دینا سیکھ لیا ہے۔ انہوں نے یہ دھوکے بازی اپنے بڑوں سے سیکھی ہے۔ اگر اُن کے والدین یہ کر سکتے ہیں تو پھر وہ اس طرح کیوں نہیں کر سکتے؟ اُن کے ارد گرد ہر جانب گناہ اور عِصیاں ہیں، جو سماج کا ایک حصہ بن چکے ہیں۔ یہ بُرائیاں جو کبھی مسلمانوں کے لئے قابلِ نفرت تھیں اب اُن کی زندگی کا حصہ بن چکی ہیں۔ شراب، رشوت، فحاشی اور دھوکہ بازی کچھ گھرانوں میں سیکڑے رائج الوقت بن

چکے ہیں۔ اور جو ان بُرائیوں میں مُبتلا نہیں ہیں وہ اس پر خاموشی اختیار کئے ہوئے ہیں ایسے جیسے انہوں نے بھی اسے سماج کا ایک حصّہ مان لیا ہے۔

کیا آپ نے کبھی یہ سوچا ہے کہ حالات اس قدر خراب کیوں ہو گئے ہیں؟ سماج اس قدر زوال پذیر کیوں ہوا ہے؟ اس کا سبب ہر ایک کا سُکوت ہے، خاموشی ہے۔

اس کا سبب یہ ہے کہ لوگ اپنے اطراف ہونے والے معاملات سے لائق ہو چکے ہیں اور معاشرے کو مہلک بیماریوں کا شکار بنا دیا ہے۔ یہ اُس مثال جیسی ہے کہ اگر آپ کی انگلی پر ذرا سا زخم لگ جائے اور آپ اُس کا علاج نہ کریں، تو ایسے ممکن ہے کہ وہ زخم خراب ہو کر انفیکشن کی صورت اختیار کرے۔ اب اگر پھر بھی اس کو نظر انداز کیا جائے، تو یہ آہستہ آہستہ آپ کے پورے ہاتھ کو متاثر کر سکتا ہے پھر آپ کا بازو اور آخر کار آپ کا پورا جسم متاثر ہوگا۔

آپ کی لاعلمی آپ کو شدید مشکلات میں مبتلا کرے گی۔ یہی معاملہ آپ کے سماج کے ساتھ ہوا ہے۔ آپ اس صورتحال کی ذمہ داری حکومت، امیر طبقے یا کسی اُیرے غیرے پر نہیں ڈال سکتے۔ درحقیقت اس ساری تباہی کا سبب آپکی اپنی خاموشی

ہے۔ کل تک تو اس اخلاق سوزی کا الزام مغربی سوسائٹی کے سر
 تھا، لیکن آج اس کی ذمہ دار آپ کی اپنی سوسائٹی ہے۔
 کل تک آپ کے پڑوسی کے بچے تھے جو بدتمیز اور کنٹرول سے
 باہر تھے، لیکن آج آپ کے اپنے بچوں کی یہی حالت ہے۔ آپ
 نے یہ کیسے سوچ لیا تھا کہ آپ کا گھر اس طوفانِ فحاشی اور
 آلودگی سے بچ سکتا ہے جو پوری سوسائٹی کو بہا لے جا رہا
 ہے؟ آج نہیں تو کل آپ کے اپنے گھر میں آپ کو ایسے الفاظ
 سننے کو ملیں گے جیسے شراب، منشیات اور غیر اخلاقی دوستیاں
 وغیرہ۔ پھر اُس وقت آپ کس پر الزام ڈالیں گے، کیا حکومت
 پر، اسکولوں پر یا دوستوں پر ڈالیں گے؟ ذرا سوچیں تو کہ اُس
 وقت کیا ہوگا جب پانی سر سے اُونچا ہو جائیگا۔ سچ تو یہ ہے کہ
 آپ میں سے ہر ایک اپنی سوسائٹی کی تباہی کا ذمہ دار ہے، اپنے
 گھروں کی اور اپنے بچوں کی بربادی کا۔ یہ سب کچھ ایسے ہوا کیونکہ
 آپ نے اپنے ارد گرد ہونے والے واقعات سے آنکھیں پھیر لیں
 تھیں، آپ نے اسے کسی اور کا مسئلہ سمجھا اور چاہا کہ کوئی اور
 اُس سے نمٹ لے۔ آپ نے یہ نہیں سوچا کہ جب یہ تعفن
 پھیلے گا تو وہ آپ کے گھر میں بھی آئے گا۔ آپ اس کو صرف
 اپنی آنکھیں بند کر کے کس طرح اندر داخل ہونے سے روک

سکتے ہیں؟ آپ نے باہر نکل کر اُس گندگی کو کیوں نہیں ہٹایا
 جس سے یہ بدبو پھیل رہی تھی۔ ہو سکتا ہے کہ آپ نے سوچا
 ہو کہ یہ کام کوئی اور کر لے گا۔ تو پھر آپ سب کیوں روتے
 ہیں جب آپ کے بچے آپ سے کچھ چھپاتے ہیں؟ یا جب
 وہ ایسے الفاظ بولتے ہیں جن سے آپ کے کان جلنے لگیں؟ یا
 جب اُن سے اُن کے بچپن اور اُن کی معصومیت چھینی جا رہی ہو
 اور اُنہیں نحاشی کی راہ پر زبردستی دھکیلا جا رہا ہو۔ آپ اُس
 وقت اُن کے لئے کیوں موجود نہیں تھے؟ آپ کو آخر کس چیز
 نے اتنا مصروف رکھا تھا کہ آپ اُنہیں نہیں سکھا سکے کہ کیا
 غلط ہے اور کیا صحیح ہے؟ آپ نے اُن کے دلوں میں دین کی
 محبت کیوں نہیں پیدا کی؟ اللہ کی محبت اور اُس کے دوستوں
 کی محبت کیوں نہیں ڈالی؟ اُن کے ٹیچر ٹی وی، انٹرنیٹ اور
 ویڈیو گیمز کیوں بنے ہوئے رہے؟

تو آج جب آپ سوسائٹی کو اپنے سامنے گرتے دیکھ سکتے
 ہیں، جب آپ اپنی ہی اولاد کو اس دنیا کی برائیوں میں مبتلا
 ہوتے دیکھ سکتے ہیں، تو کیا اب بھی یہ آپ کو خوابِ غفلت سے
 جگانے کے لئے کافی نہیں ہے تاکہ آپ اپنی خاموشی کو توڑیں؟
 کیا اب بھی اقتدار، دولت، اور شہرت کی دوڑ کے خاتمے کا

وقت نہیں آیا؟ کیا والدین کو نہیں چاہیے کہ وہ اپنے بچوں کے
 ساتھ زیادہ احتیاط اور محبت سے پیش آئیں اور کیا انہیں اپنے
 بچوں کے ساتھ اُن کا رہنا اور اُستاد کی حیثیت سے نہیں رہنا
 چاہیے؟ کیا دین کو طرزِ حیات، اور محبتِ رسول ﷺ کو مشعلِ راہ
 نہیں بنانا چاہیے؟ جانئے کہ یہ آخری زمانہ ہے، دجال کا زمانہ
 ہے، وہ زمانہ جس کے بارے میں تمام انبیاء نے اپنی اپنی اُمتوں
 کو خبردار کیا تھا۔ آپ کے خیال میں تباہی اس وسیع پیمانے پر
 کیوں پھیلی ہوئی ہے اور راتوں رات دل تبدیل کیوں ہو رہے ہیں؟
 رسول اللہ ﷺ نے تو پہلے ہی سے پیش گوئی کی ہوئی
 ہے کہ وقت کے خاتمے کے قریب کیا ہونے والا ہے۔ آپ کی
 مبارک نگاہیں اُس وقت کی ہولناکیاں دیکھ سکتی تھیں۔ آپ ﷺ
 نے فرمایا تھا کہ: آپ دیکھیں گے کہ ننگے پاؤں، ننگے بدن بدو
 چرواہے بڑی عمارتیں بنانے کا مقابلہ کر رہے ہوں گے۔ ایک
 وقت ایسا آئے گا لوگوں کے لئے کہ اپنے دین کو برقرار رکھنا
 ایسا ہوگا جیسے کسی گرم انگارے کو ہاتھ میں پکڑنا ہے۔
 آپ اس حدیث سے بھی آخر زمان کے مصائب کا اندازہ
 لگا سکتے ہیں۔ ”افسوس اُن عربوں پر، اُس عظیم برائی کے لئے
 جو اُن پر آنے والی ہے۔ وہ اندھیری رات کے دھبوں کی طرح

ہوگی۔ ایک آدمی صبح مومن کی حیثیت میں جائے گا اور رات ہونے تک وہ کافر ہو جائے گا۔ لوگ اپنے دین کو دنیا کی کسی معمولی رقم والی شے کے بدلے بیچیں گے۔ اُس وقت جو اپنے دین کے ساتھ پیوست رہے گا، وہ اُس شخص کی طرح ہوگا جو انگاروں یا کانٹوں کو پکڑے ہوتے ہوئے۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی حدیث ہے کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: ”یوم انصاف اُس وقت تک برپا نہیں ہوگا جب تک کہ میری اُمت رفتہ رفتہ مکمل طور پر اگلی قوموں کی راہ پر نہ چل پڑے گی۔“ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ: ”یا رسول اللہ ﷺ! کیا ایرانیوں اور رومیوں کی طرح بھی؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”ان کے علاوہ اور کون ہو سکتے ہیں؟“

ایک دوسری حدیث شریف میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے روایت کی کہ فرمایا حضور ﷺ نے کہ: ”بے شک آخر زمان کی نشانیوں میں سے ایک نشانی یہ ہوگی کہ وقت محدود ہو جائے گا، علم میں کمی آئے گی اور کنجوسی عام ہوگی، بیماریاں پھیلیں گی اور بہت زیادہ خرچ ہوگا۔“ لوگوں نے پوچھا کہ: ”یا رسول اللہ ﷺ! یہ خرچ کیا ہے؟“ آپ ﷺ نے فرمایا: ”قتل، قتل!“ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ ایک اور اہم حدیث بیان کرتے ہیں کہ: رسول اللہ ﷺ

نے فرمایا کہ : ”دوزخ والوں میں دو قسم کے لوگ ہیں جو میں نے نہیں دیکھے۔ ایک وہ جن کے پاس بیل کی دم کی طرح کے چابک ہوں گے جن سے وہ لوگوں کو پیٹیں گے۔ اور دوسری وہ عورتیں جو کپڑے پہنے بھی برہنہ ہیں، دل بُھاتی، لہراتی اور رقص کرتی پھرتی، اُن کے سر عجیب و غریب اونٹ کے کوبالوں کے مانند۔ وہ جنت میں داخل نہیں ہوں گے۔ یا اُس کی خوشبو تک نہیں سونگھ سکیں گے۔ حالانکہ اُس کی خوشبو بہت فاصلے تک پہنچتی ہے۔“

ایک اور حدیث میں آج کل کے حالات کی پیش گوئی کی گئی ہے کہ : بے شک اُس گھڑی والے زمانے میں سلام صرف شناسوں کو کیا جائے گا؛ کاروبار میں اضافہ ہوگا اس حد تک کہ بیوی اپنے شوہر کے کام میں پیسہ کمانے کی خاطر اُس کی مدد کرے گی؛ خاندانی رشتوں کا کٹ جانا، جھوٹی شہادتیں دینا، سچ کو چھپانا اور قلم کی اہمیت ہوگی۔“

آپ کے زمانے میں یہ حدیثیں کس قدر سچی ہیں۔ یہ اور کئی دوسری حدیثیں اُن تبدیلیوں کی صاف نشاندہی کرتی ہیں جو دنیا میں رونما ہوں گی، کس طرح اِقدار پارہ پارہ ہونگے اور کس طرح بدی اور گناہوں کا سیلاب دُنیا کو بہا لے جائے گا۔

کیا یہ عقل مندی کی بات ہے کہ یہ سب کچھ جاننے کے باوجود خاموش رہا جائے اور ان نشانیوں کو نظر انداز کیا جائے یہ سوچ کر کہ اس سیلاب سے آپ کو کوئی نقصان نہیں پہنچے گا؟ یہ صرف ایک خوش گن خیال ہے۔ سچ تو یہ ہے کہ طوفانِ آخر دنیا میں شروع ہو چکا ہے، فتنے بارش کی طرح برس رہے ہیں، خون پانی کی طرح بہایا جا رہا ہے، ایمان کو بنا جانے بوجھے تباہ کیا جا رہا ہے۔ ادب تیزی سے دلوں سے مٹایا جا رہا ہے۔ زبانیں بے لگام اور کردار مَسخ ہو رہے ہیں، فحاشی اب "ثقافت" اور "اوپنی سوسائٹی" سمجھا جاتا ہے، اور دلوں سے احساسِ گناہ جاتا جا رہا ہے۔ یہی ہے جو آج کل ہو رہا ہے، یہ ہی ہے جو آپ کے بچوں کے سامنے ہو رہا ہے۔

اے اُمتِ محمدی! اس بیان کے بعد کیا آپ اب بھی گھر جا کے سو جائیں گے یا اپنی گہری نیند سے جاگ کر کچھ کریں گے؟ پوری سوسائٹی یا دنیا کو تبدیل کرنا مشکل ہے، لیکن اپنے گھر کو بدلنا مشکل نہیں ہے۔ اپنی ترجیحات کا تعین کریں اور تجزیہ کریں کہ آپ کی زندگی میں اہم ترین چیز کیا ہے؟ بے شک، ایک مسلمان کی حیثیت سے اُسکی سب سے زیادہ قیمتی چیز اُس کا ایمان ہے۔ تو اس ایمان کو مضبوط کریں۔ اپنے بچوں اور اپنے

گھرانے کو اس ایمان کی قدر و اہمیت سیکھائیں، تاکہ وہ بھی
تیار ہو کر خود کو طوفانِ آخر سے بچا سکیں۔

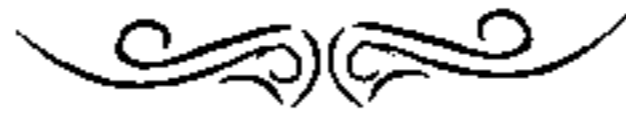
بس اپنی آنکھیں کھلی رکھیں کیونکہ اب سونے کے لئے

آپ کے پاس ایک لمحہ بھی نہیں!

اللہ تعالیٰ ہم سب پر رحم فرمائے!

آمین!

ثم آمین



دُعا کی اہمیت

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو نُوْرُ الْعَالَمِیْنَ ہے
وہ جو دیتا تو ہے لیکن جس کی اپنی کوئی طلب نہیں۔ وہ بے نیاز
اور خود مختار ہے۔ پوری کائنات میں کون ہے جو اُس پر دباؤ
ڈال سکتا ہے؟

دُرود و سلام نبیِّ محترم ﷺ پر، اللہ کے حبیب اور اللہ
کے محبوب پر، اُن پر جو اپنے تمام عاشقین کے درد کو جانتے ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور
آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن سب پر جو یہ جانتے
ہیں کہ نورِ حق کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا اور حق کو کبھی کوئی نظر
انداز نہیں کر سکتا۔

کسی نے کہا ہے کہ: ”ایسا کیوں ہے کہ میں جب کبھی
اللہ سے دُعا مانگتا ہوں وہ اُسے قبول نہیں کرتا اور جو میں
طلب کرتا ہوں وہ مجھے ملتا نہیں۔ ایسا کیوں لگتا ہے کہ جیسے

اُس کی طرف سے ایک طویل خاموشی ہے؟“

ایسے لگتا ہے کہ یہ شکایت آپ میں سے کئی لوگوں کی ہے، اور آپ لوگوں کے ذہن میں یہی بدگمانی ہے جس کی وجہ سے آپ لوگوں نے اللہ سے مانگنا چھوڑ دیا ہے۔ اگر آپ اُس سے مانگتے بھی ہیں تو اُس میں اس یقین کی کمی ہوتی ہے کہ آپ کی دُعا کا کوئی سننے والا ہے۔ دراصل یہ اکثر اُس صورت میں ہوتا ہے جہاں ایمان کمزور ہو۔ آپ کا ایمان اتنا مضبوط ہونا چاہیے کہ حالات خواہ کیسے ہی ہوں، آپ کو اُمید کا دامن نہیں چھوڑنا چاہیے۔ آپ کو سمجھنا چاہیے کہ ”دُعا“ کیا ہے۔

جب ہم ”دُعا“ مانگتے ہیں تو یہ گویا اللہ کی طرف ایک ”پکار“ ہوتی ہے جس طرح ایک ”بدا“ ہوتی ہے یا مدد کے لئے ایک صدا۔ مثلاً عجز و انکاری سے مانگنے کو بھی ”دُعا“ کہتے ہیں۔ ”دُعا“ خوف اور اُمید کے ساتھ کرنی چاہیے۔

☆ سُوْرَةُ الْبَقْرَةِ، آیت ۱۸۶ میں ہے کہ: ”اور اے محبوب! جب جب تم سے میرے بندے مجھے پوچھیں تو میں نزدیک ہوں، دُعا قبول کرتا ہوں، پکارنے والے کی جب مجھے پکارے تو انہیں چاہیے کہ میرا حکم مانیں اور مجھ پر ایمان لائیں کہ کہیں راہ پائیں۔“

★ سورۃ المؤمن ، آیت ۶۰ میں اللہ فرماتے ہیں کہ : ” اور تمہارے رب نے فرمایا : مجھ سے دُعا کرو میں قبول کروں گا بے شک وہ جو میری عبادت سے اُونچے کھینچتے ہیں عنقریب جہنم میں جائیں گے ذلیل ہو کر۔“

★ سورۃ النمل آیت ۶۲ میں ہے کہ : ”یا وہ جو لاچار کی سُننا ہے جب اسے پکارے اور دُور کر دیتا ہے بُرائی۔“

دُعا کی قبولیت کے لئے کچھ شرائط ہیں۔ آپکو جاننا چاہیے کہ اللہ اپنی رحمت کے باعث دُعا قبول کرتا ہے۔ دُعا میں اخلاص ہونا چاہیے۔ قلب پر غیر اللہ کا غلبہ نہیں ہونا چاہیے۔ دُعا کسی ایسے کام کے لئے نہیں ہونی چاہیے جس کی اسلام میں اجازت نہ ہو۔ اللہ کی رحمت پر کامل بھروسہ ہونا چاہیے اور یہ شکایت کبھی نہیں کرنی چاہیے کہ : ”میں نے ایک دعا مانگی تھی پر وہ قبول نہیں ہوئی۔“ حدیث شریف میں ہے کہ : ”دُعا کرنے والے کی دُعا قبول ہوتی ہے۔ یا تو اُس کی مُراد دنیا ہی میں اُسکو جلد دے دی جاتی ہے یا آخرت میں اس کے لئے ذخیرہ ہوتی ہے، یا اُس کے گناہوں کا کفارہ کر دیا جاتا ہے۔“

”دُعا“ انبیاء کرام کی سُنّت بھی ہے۔ حضرت ذکریاؑ نے بیت المقدس کی ایک محراب میں اِن الفاظ کے ساتھ دُعا

مانگی تھی: ”یہاں پکارا ذکر کیا۔ اپنے رب کو بولا: اے رب میرے! مجھے اپنے پاس سے دے سُتھری اولاد۔ بے شک تو ہی دُعا سُننے والا ہے۔“ (سُورَةُ اِلِ عِمْرَانَ، آیت ۳۸) پھر انہیں ایک بیٹے کی بشارت ملی تھی، یعنی حضرت یحییٰ علیہ السلام کی۔

اسی طرح حضرت نوح علیہ السلام کی دُعا نے اُن کو طوفانِ نوح سے بچایا تھا۔ سورَةُ الانبیاء آیت ۷۶ میں فرمایا: ”اور نوح کو جب اس سے پہلے اس نے ہمیں پکارا تو ہم نے اُس کی دُعا قبول فرمائی اور اسے اور اس کے گھر والوں کو بڑی سختی سے نجات دی۔“ اور یہ دُعا ہی کی برکت تھی کہ حضرت ایوب علیہ السلام کی مشکل کا خاتمہ ہوا۔ اور اسی طرح سورَةُ الانبیاء آیت ۸۴ میں فرمایا کہ: ”تو ہم نے اُس کی دُعا سُن لی، تو ہم نے دور کر دی جو تکلیف اُسے تھی۔“

جب آپ اللہ سے طلب کرتے ہیں، یعنی جب آپ کی دُعا اُس تک پہنچتی ہے، تو یہ اُس کی سخاوت پر ہے کہ وہ آپ کو کتنا دیتا ہے۔ یہ اُسی کا فضل ہے کہ وہ آپ کو اُس سے کہیں زیادہ عطا فرماتا ہے جتنا کہ آپ نے مانگا تھا۔

نماز کے بعد مانگی جانے والی دُعا مقبول ہوتی ہے، خاص طور سے فرض رکعتوں کے بعد۔ ایک حدیث شریف میں

روایت ہے کہ: ”ایک شخص فرض نماز کے بعد نوافل پڑھنے کے لئے کھڑے ہوئے تو حضرت عمر رضی اللہ عنہما نے فوراً ہی کھڑے ہو کر اُس شخص کے کندھے جھکائے اور فرمایا: ”بیچے بیٹھ جاؤ، کیونکہ اہل کتاب اس لئے تباہ ہوئے تھے کہ اُن کی نمازوں میں کوئی فاصلہ نہ تھا!“ اس پر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی نظریں اٹھائیں اور فرمایا: ”اے خطاب کے بیٹے! اللہ آپکو درست کام کرنے والا رکھے۔“

اس بات کی بھی احتیاط ہونا چاہیے کہ غصے کی حالت میں کبھی بھی اپنے گھرانے، اپنے بچوں یا مال کے بارے میں غلط کلمات زبان سے ادا نہیں کرنے چاہیے کیونکہ اگر اللہ اُس کے کہے کو قبول کرے تو اُس کے تمام اثاثے تباہ ہو جائیں گے۔ لیکن اللہ اپنے فضل و کرم کے باعث ایسا کرتا نہیں ہے تو ہمیشہ اس بات کا خیال رکھیں کہ غصے میں آپ کیا کہہ رہے ہیں۔

یہ صرف انسان ہی نہیں جو اپنے لئے دُعا مانگتے ہیں، بلکہ فرشتے بھی مومنین کے لئے دُعا مانگنے میں مصروف رہتے ہیں۔ سورۃ الشعراء آیت ۵۔ میں فرمایا کہ: ”فرشتے اپنے رب کی تعریف کے ساتھ اُس کی پاکی بولتے اور زمین والوں کے لئے معافی مانگتے

ہیں، ”اگر آپ اللہ کے کسی مقبول بندے کا وسیلہ پکارتے ہیں، تو آپ کی دعا طاقتور ہوتی ہے۔ کیونکہ سورۃ النساء، آیت ۶۴، میں ہے کہ: ”اور اگر جب وہ اپنی جانوں پر ظلم کریں، تو اے محبوب! تمہارے حضور حاضر ہوں اور پھر اللہ سے معافی مانگیں اور رسول ان کی شفاعت فرمائیں تو ضرور اللہ کو بہت توبہ کرنے والا مہربان پائیں۔“ بھلا نامِ گرامی ”محمد صلی اللہ علیہ وسلم“ سے بڑھ کر کیا وسیلہ ہو سکتا ہے۔

یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اس دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد ایک اعرابی روضہ اقدس پر حاضری دینے آیا۔ اُس نے روضہ شریف کی خاکِ پاک اپنے سر پر لگائی اور کہا: ”یا رسول اللہ! جو آپ نے فرمایا، ہم نے سنا اور جو آپ پر نازل ہوا، اس میں یہ آیت بھی ہے: دَلَّوْا أَنَّهُمْ رَادُّوْا ظَلْمُوْا ۝ میں نے بے شک اپنی جان پر ظلم کیا اور میں آپ کے حضور میں اللہ سے اپنے گناہ کی بخشش چاہتا ہوں۔ حاضر ہوا ہوں، آپ میرے رب سے میرے گناہوں کی بخشش کرائیے۔“ تو پھر قبر مبارک سے ایک ندا آئی کہ: ”تیری بخشش کر دی گئی۔“ یہ سچ ہے کہ اللہ کے محبوب نبیؐ اور آپ کے تمام عاشقوں سے بڑھ کر کوئی وسیلہ نہیں ہو سکتا ہے۔ وہ دعا جس

میں آپ ﷺ کا نام مبارک ہے اور جس کے اول آخر دُرور
 شریف ہو، آسمانوں کی طرف اونچا اُڑتی ہے، اور اُسے کوئی
 روک نہیں سکتا جب تک کہ وہ اُس مقام تک نہیں پہنچتی
 جہاں اُسے پہنچنا چاہیے۔ یہ صحیح ہے کہ: دعا عبادت کا مغز ہے۔
 جیسے منتر کے بغیر ہڈی کی اور گودے کے بغیر پھلکے کی کوئی قدر
 نہیں، ایسے ہی دُعا کے بغیر خالی عبادت کی کوئی قدر نہیں۔
 رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: "اللہ کے لئے دُعا
 سے بڑھ کر کوئی چیز محترم و مکرم نہیں ہے۔" ایک حدیثِ قدسی
 کے ذریعے اللہ فرماتا ہے: "اے میرے بندو! کسی پر ظلم کرنا
 میں نے اپنی ذات پر حرام فرما لیا ہے اور تمہارا آپس میں ایک
 دوسرے پر ظلم کرنا بھی حرام کر دیا ہے۔ لہذا ایک دوسرے پر
 ظلم نہ کرنا۔ اے میرے بندو! تم سب گمراہ ہو سوائے اُس
 کے جسے میں ہدایت دے دوں۔ تو تم مجھ سے ہدایت مانگا
 کرو، میں تمہیں ہدایت دے دوں گا۔ اے میرے بندو! تم
 سب بھوکے ہو بجز اُس کے جسے میں روزی دوں، سو مجھ سے
 روزی کا سوال کیا کرو، میں تمہیں روزی دوں گا۔ اے میرے
 بندو! تم سب ننگے ہو سوائے اُس کے جسے میں لباس پہناؤں۔
 لہذا تم مجھ سے لباس مانگا کرو، میں تمہیں لباس پہناؤں گا۔

اے میرے بندو! تم سب خطا کار ہو، دوئی رات خطائیں بھی
 کرتے ہو اور میں سب گناہ بخشا رہتا ہوں۔ تم مجھ سے گناہوں
 کی معافی مانگتے رہو، میں تمہاری مغفرت فرماتا رہوں گا۔ اے
 میرے بندو! تم مجھے نقصان پہنچانے کے قابل نہیں ہو سکتے
 کہ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکو، اور نہ مجھے نفع پہنچانے کی
 صلاحیت حاصل کر سکتے ہو کہ مجھے کوئی نفع پہنچاؤ۔ اے
 میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے اور تمہارے انسان و
 جن کسی سبب سے بڑے پرہیزگار کے دل میں جمع ہو جائیں،
 یعنی سب ہی پرہیزگار ہو جائیں، تو تمہارا جمع ہونا میری
 بادشاہی میں کچھ اضافہ نہیں کرے گا۔ اے میرے بندو! اگر
 تمہارے اگلے پچھلے اور تمہارے انسان و جن تمہارے کسی
 سے بڑے بدکار کے دل میں جمع ہو جائیں، تو تمہاری یہ متفقہ
 بدکاری میرے ملک میں کوئی کمی نہیں کر سکے گی۔ اے میرے
 بندو! اگر تمہارے اگلے اور پچھلے اور انسان و جن کسی میدان
 میں کھڑے ہو کر مجھ سے بھیک مانگیں اور میں ہر مانگنے والے
 کا سوال پورا کر دوں، تو اس سے میرے خزانے میں اتنی بھی کمی
 واقع نہ ہوگی جتنی کمی سوئی سمندر کے پانی میں ڈوبنے سے
 ہوتی ہے۔ اے میرے بندو! یہ تمہارے اعمال ہی ہیں جنہیں

میں شمار کر کے رکھ رہا ہوں ، پھر روزِ قیامت میں اُن کا پورا پورا بدلہ دوں گا۔ لہذا جو کوئی نیکی کا کام پالے ، اسے اللہ کی حمد کرنی چاہیے ، اور جو اُس کے سوا (گناہ) پائے تو اُسے اپنے نفس کی ملامت کرنی چاہیے۔

دُعا وہ طاقتور آلہ ہے جو آسانی کے دروازے کھول سکتا ہے اور زندگی کی تکالیف کو دُور کر سکتا ہے۔ آپ کی طرف سے کی جانے والی دُعاؤں کا مسئلہ یہ ہے کہ اُن میں ایمان کی کافی قوت نہیں ہے۔ وہ بس رسمی طور پر کی جانے والی دُعائیں ہیں اور اُن کے الفاظ آپ کی زبان سے ادا ہوتے ہیں آپ کے دل کی گہرائیوں سے نہیں۔ فرض کریں کہ ایک آدمی بیمار ہے اور ڈاکٹر اُسے کسی خاص طاقت والی دوا تجویز کرتا ہے ، لیکن اپنی کاہلی کے باعث مریض اُس دوا کی تجویز کردہ مقدار کا ادھا استعمال کرتا ہے ، تو بھلا بتائیے تو کہ وہ کس طرح اچھا ہو جائے گا ؟

یہی صورتِ حال آپ کی دُعاؤں کی ہے ؛ وہ دعائیں جو بے دلی سے مانگی جاتی ہیں یا جو مطلوبہ قوت سے نہ مانگی گئی ہوں ، وہ بالکل دوا کی اُس کم مقدار کی طرح ہیں۔ یاد رکھیں کہ اللہ کی وہ ذاتِ واحد ہے جو جانتا ہے کہ آپ کے لئے

کیا بہتر ہے اور کیا مُضر اور یہ کہ وہ بہتر آپ کو کب دیا
 جائے۔ مگر یہ انسانوں کی بے صبری اور اللہ پر بھروسہ کرنے کی
 نا اہلیت ہے جس سے اُن کے دل خوف سے تنگ ہو جاتے
 ہیں۔ پھر وہ اس گمان میں مبتلا ہو جاتے ہیں کہ اس دُنیا میں
 سب کچھ اُنکے اپنے زورِ بازو سے ہو گا۔ یہی وجہ ہے کہ وہ مدد کیلئے
 دَر دَر کی ٹھوکریں کھاتے ہیں۔ وہ ایسے منصوبوں کے بارے
 میں بھی سوچ سکتے ہیں جن سے دوسروں کو تو نقصان پہنچ سکتا
 ہو مگر اُن میں اُن کا اپنا فائدہ ہو۔ یہی سبب ہے کہ آج کی
 دُنیا میں اتنی بھنجھلاہٹ ہے، اتنی بدعنوانی ہے اور اتنا غم
 ہے۔ اگر ان کا دل اُن کے مسائل کی وجہ سے پریشان ہے۔
 اور اُن کو اُن کا کوئی حل نظر نہیں آرہا ہو، تو اُن کے لئے
 شاید یہ دُنیا کا خاتمہ لگے۔ وہ یہ سمجھنے سے قاصر ہیں کہ اُن کے
 منصوبوں کے آگے ایک دوسرا منصوبہ ہے جو ہو سکتا ہے کہ
 اُن کی آنکھوں سے اُدجھل ہو۔ اور وہ منصوبہ اللہ کا ہے۔ وہ
 یقیناً اُس کو بہترین عطا کرے گا جو اُس سے طلب کرے گا،
 اخلاص سے طلب کرے گا اور اس کامل یقین کے ساتھ کہ
 جہانوں کا رب اُس کی دُعا کو سُن رہا ہے۔ جب کسی دُعا کی
 قبولیت میں کچھ تاخیر ہو تو ہمیشہ یہ سوچیں کہ وہ جو یہ جانتا ہے

کہ کیا بہتر ہے ، وہ آپ کو وہی چیز ہی عطا کرے گا جو آپ کے لئے بہترین ہے ، اور اُس وقت دے گا جب اُس کی نگاہ میں دینے کے لئے بہترین ہے۔

حضرت جابر بن عبد اللہ رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”قیامت کے روز اللہ تعالیٰ ایک مومن بندے کو بلائے گا حتیٰ کہ اُسے اپنے سامنے کھڑا کر کے ارشاد فرمائے گا: ”اے میرے بندے! میں نے تجھے حکم دیا تھا کہ مجھ سے دُعا کر، اور وعدہ فرمایا تھا کہ، ”تیری دُعا قبول کروں گا۔ کیا تو مجھ سے دنیا میں دُعا کرتا تھا؟“ بندہ عرض کرے گا، ”ہاں میرے پروردگار! اللہ تعالیٰ فرمائے گا، ”بے شک تو نے ایسی کوئی دُعا نہیں کی جو میں نے قبول نہ فرمائی ہو۔ کیا تو نے فلاں فلاں روز مجھ سے یہ دُعا نہ کی تھی کہ میں تیرا غم دور فرمادوں جو تجھ پر آن پڑا تھا، تو میں نے اسے دُور فرما دیا تھا؟“ یہ عرض کرے گا، ”ہاں میرے رب (بالکل ایسا ہی ہوا تھا)“ فرمائے گا، ”میں نے تیری وہ دُعا دنیا میں قبول فرمائی تھی۔ اور تو نے فلاں فلاں روز مجھ سے دُعا کی تھی کہ میں تیرا غم دور کر دوں جو تجھے پیش آیا تھا، تو تو نے اُس غم سے جھٹکارا نہیں پایا تھا۔“ یہ عرض کرے گا، ”اے میرے پالنے والے، ہاں!

”اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا، ”میں نے اُس کے بدلے تیرے لئے فلاں فلاں نعمت جنت میں ذخیرہ کر دی۔ تو نے فلاں فلاں دن مجھ سے اپنی کسی حاجت کے پورا ہونے کی دُعا کی تھی، تو میں نے اُسے پورا فرما دیا تھا۔“ بندہ عرض گزار ہوگا، ”ہاں میرے مالک!“ اللہ تبارک تعالیٰ فرمائے گا، ”میں نے دنیا میں ہی اُس کی قبولیت ظاہر فرمادی تھی اور تو نے فلاں فلاں دن مجھ سے اپنی کسی اور حاجت برآری کیلئے دُعا کی تھی، تو تو نے اُسے پورا ہوتے نہ دیکھا تھا۔“ بندہ عرض کرے گا، ”ہاں میرے مولا!“ رب تعالیٰ فرمائے گا، ”اس کے عوض میں نے جنت میں فلاں فلاں چیز تیرے واسطے جمع فرمادی تھی۔“ رسول کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ”بندہ مومن نے جو جو بھی دنیا میں دُعا کی ہوگی، اللہ تعالیٰ کوئی باقی نہ چھوڑے گا، بلکہ سب کے بارے میں ارشاد فرمائے گا کہ یا تو اُس نے اسے دنیا میں ہی پورا فرما دیا تھا اُس کے لئے آخرت میں ذخیرہ بنا دیا تھا۔“ پھر نبی و محترم ﷺ نے ارشاد فرمایا، ”آخرت میں دُعاؤں کا ذخیرہ دیکھ کہ بندہ مومن اُس جگہ کہے گا ”کاش دُنیا میں میری کوئی دُعا قبول نہ فرمائی ہوتی۔ (سب کا بدلہ آج یہاں پاتا۔)“ اگر آپ دُعا کی اہمیت کو سمجھیں گے، پھر آپ کبھی بھی

اللہ کے آگے دُعا کے لئے اپنے ہاتھ اٹھانا نہیں بھولیں گے۔
 رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ:

الدُّعَا يُرَدُّ الْبَلَاءَ

دُعا بلاؤں کو ہٹاتی ہے

جس کے معنی ہیں کہ دُعا کی برکت یہ ہے کہ آپ کی طرف آنے والی کوئی مصیبت یا آزمائش ٹال دی گئی ہے۔ رسول اللہ نے فرمایا کہ: ”دُعا نازل شدہ آفت میں بھی نفع دینے والی ہے (یعنی دُعا سے بلا ٹل جاتی ہے) اور اُس بلا میں بھی جو نہ اُتری ہو اسے اللہ کے بندو! دُعا کو مضبوط پکڑو“ اس کا مطلب ہے کہ ہر وقت دُعا کرتے رہیں کیونکہ ہو سکتا ہے کہ آپ نہ جانتے ہوں، لیکن ہو سکتا ہے کہ اللہ کسی ایسی مصیبت کو مٹا رہا ہو جو آپ کی جانب بڑھ رہی ہو۔ امام غزالی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: جس طرح ڈھال کسی ہتھیار کو روکتی ہے، اور جس طرح پانی پیاس کو بجھاتا ہے، اسی طرح دُعا آپ کی جانب بڑھتی ہوئی بلا کو روکتی ہے۔ اسباب اللہ کی طرف سے ہیں اور مُسببات بھی اُسی کی طرف سے ہیں۔

سورة النساء میں اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ: ”اور چاہئے

کہ اپنی پناہ اور اپنے ہتھیار لئے رہیں“ بالکل اسی طرح سے

انسانوں کو بھی دُعاؤں کا ہتھیار اپنے پاس رکھنا چاہیے۔ اور اپنے صالح اعمال کا بھی ہتھیار رکھنا چاہیے تمام آفات و بلیات سے خود کو بچانے کے لئے۔ دُعا کی توفیق دراصل رحمتِ خداوندی سے ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُمت کو یہ سیکھایا ہے کہ آپ میں سے جن کے لئے دُعا کا دروازہ کھولا گیا تھا، درحقیقت وہ دروازہ رحمت کا دروازہ تھا، اور وہ عافیت جو بندہ اللہ سے مانگتا ہے اللہ کے لئے پسندیدہ ترین چیز ہے۔ (عافیت سے بڑھ کر کوئی چیز اللہ سے نہ مانگی گئی جو اسے زیادہ پیاری ہو۔)

جنت کے دروازے اُن لوگوں کے لئے بھی کھولے گئے ہیں جنہیں دُعا کی توفیق سے نوازہ گیا ہے۔ جب بھی آپ دُعا کریں تو اُسے یقین کے ساتھ کریں۔ ”دُعا“ مانگنے کا یہ نہایت اہم قاعدہ ہے، کیونکہ یہ بھی ارشادِ رسول اللہ ہے کہ: ”اللہ تعالیٰ سے دُعا کرو قبولیت کا یقین رکھتے ہوئے اور جان لو کہ اللہ تبارک و تعالیٰ غافل اور لاپرواہ کی دُعا قبول نہیں فرماتا۔“

دُعا کی خاص شرط یہ ہے کہ ہاتھ، زبان، دل، توجہ، یہ سب ایک ہی مقام پر مرکوز ہونے چاہیے، یعنی بارگاہِ الہی پر۔

ایک اور ضروری شرط یہ ہے کہ اگر دُعا فوری طور سے قبول نہیں ہوتی، تو اپنے دل میں ملول نہ ہوں یا رحمتِ الہی سے مایوس نہ ہوں۔ بس یہ ذہن میں رکھیں کہ حضرت یعقوب علیہ السلام کئی دہائیوں تک حضرت یوسف علیہ السلام کی جدائی میں روتے رہے مگر رحمتِ الہی سے مایوس نہ ہوئے۔ انہوں نے اپنے بیٹوں سے کہا: ”اور اللہ کی رحمت سے نہ اُمید نہ ہو۔“

حضرت موسیٰ علیہ السلام نے دُعا کی تھی کہ فرعون اپنے انجام کو دیکھے۔ آپ یہ دعا چالیس سال تک کرتے رہے، تب کہیں جا کر وہ دُعا قبول ہوئی۔ جب آپ کو اللہ پر بھروسہ ہو کہ وہ آپ کو سُن رہا ہے اور وہی آپ کے لئے بہترین کرے گا، تو پھر آپ نہ اُمید نہ ہوں۔ جیسے کہ حدیث شریف میں ہے کہ:

”تمہاری دُعا قبول ہوتی ہے جب تک جلدی نہ کرو۔ یہ مت کہو کہ میں نے دُعا کی تھی اور وہ قبول نہ ہوتی۔“ یہ بھی کہا گیا ہے کہ ۳ دُعا میں ضرور مقبول ہوتی ہیں، یعنی، مظلوم کی دُعا، مسافر کی دُعا، اور ماں باپ کی دُعا اپنے بچوں کے لئے۔

ایک دوسری روایت کے مطابق گھر پہنچنے تک ایک حاجی کی دُعا اور جنگ کے خاتمے تک ایک غازی کی دُعا، صحت مند ہونے تک ایک بیمار کی دُعا اور مسلمان بھائی کی دُعا جو وہ

خاموشی سے آپ کے لئے کرتا ہے۔ ان سب میں مقبول ترین
 دُعا ایک مسلمان بھائی کی دعا ہے۔ روایت ہے کہ ایک فرشتہ
 مقرر ہے جس کی ڈیوٹی دوسروں کے لئے ایک مومن کی تمام
 دُعاؤں پر آمین کہنا ہے۔ وہ فرشتہ اُس مومن کے لئے بھی دُعا
 مانگتا ہے جو دوسروں کے حق میں دُعا کرتا ہے۔ تو اگر آپ
 چاہتے ہیں کہ فرشتے آپ کے لئے بھی دُعا مانگیں تو آپکو دوسروں
 کے لئے دُعا مانگنی چاہیے۔

اے اُمتِ محمدی! دُعا کم مانگنے کا اور بے دلی سے
 مانگنے کا سبب یہ ہے کہ آپ کے زمانے کے لوگوں کے پاس
 وقت کم ہے۔ وہ بہت جلد باز لوگ ہیں۔ وہ بے صبری سے
 دُعا مانگتے ہیں اور اگر وہ دُعا مانگتے ہیں تو پھر اُن کی بے صبری
 دُعا کی فوری قبولیت کا تقاضا کرتی ہے۔

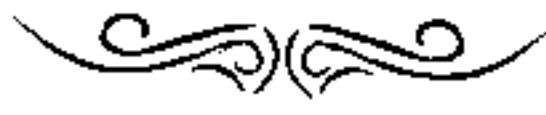
اے اُمتِ محمدی! آج کے بیان کے بعد، صحیح طریقے
 سے دُعا کے لئے وقت نکالا کریں اور یہ عمل ہر وقت کا مل
 یقین کے ساتھ کرتے رہیں۔ اسے عاجزی سے کیا کریں، اور
 ہر ایک کے لئے کیا کریں۔ بہت جلد ہی آپ کو احساس ہوگا
 کہ آپ کے دل کو سکون مل جاتے گا اور آپ کے تفکرات
 آپ کے ذہن سے تحلیل ہو جائیں گے۔

ہمیشہ یاد رکھیں کہ وہ ذاتِ واحد جس نے آپ کو پیدا
کیا ہے، وہ آپ سے بے پناہ محبت کرتی ہے اور وہ آپ
میں سے ہر ایک کے لئے حاضر ہے۔

اللہ تعالیٰ اپنے پیارے حبیب ﷺ کے صدقے میں،
ہمیں صحیح دُعائیں کرنے کی توفیق عطا فرما دے، اور اپنی کریمی
سے اُنہیں قبول فرما دے۔

آمین!

ثم آمین



حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو سارے جہان کا
رب ہے اور جو اپنے عاشقوں کا سرور ہے۔ کوئی اُسکی محبت
کے سوا اور کیا مانگے اُس سے جس نے محبت کو پیدا فرمایا ہے۔

درود و سلام اول اور آخر پر، اُن ذاتِ محترم پر جن کے
جو درد و سزا کی کوئی انتہاء نہیں، اور بے شک آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی
اُمت کے لئے سب سے بڑے غنی ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ
کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اُمت کے
صابرین و شاکرین پر۔

نرم و گداز دل آسانی سے لطیف جذبات کو سمجھ سکتے
ہیں، اور بھلا جذبہ محبت سے بڑھ کر کوئی نرم تر جذبہ کیا ہو سکتا
ہے۔ اور جب یہ لطیف جذبہ اُس نہایت حسین رشتے سے

منسوب ہو جسے اللہ نے پیدا کیا ہے، یعنی بیٹی کی محبت، تو پھر اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ ایک بیٹی کی محبت (عالم وجود میں) ایک خالص اور سچا جذبہ ہے۔

اللہ تعالیٰ نے بیٹوں کو اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ وہ دنیا کی کاوشوں میں اپنے گھرانے کی پشت پناہی کریں۔ اللہ نے بیٹیوں کو بھی اس لئے پیدا فرمایا ہے کہ وہ اپنے گھرانوں کے لئے نرمی، خدمت اور رحمت کا باعث بنیں۔ اگر بیٹے اپنے گھرانے کے ستون ہیں تو بیٹیاں اپنے گھرانے کی خوشبو ہیں۔ وہ صبح کی تازگی اور بہار کے حُسن کی طرح ہیں۔ بے شک، وہ رَبُّ الْعَالَمِينَ کی رحمت ہیں جیسے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا۔ لیکن یہ عالم انسان کی بد نصیبی ہے کہ ماضی کے لوگوں نے اس بات کو اہمیت نہ دی۔ اس کے برعکس، بیٹی کی پیدائش کو خاندان کے لئے ذلت کا باعث سمجھا جاتا تھا اور کئی دنوں تک باپ مارے شرم کے لوگوں سے ملنے باہر نہیں نکلتا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ معاشرے میں عورت کی عزت نہ تھی۔ کہتے ہیں کہ دنیا کے کئی حصوں میں عورت اور جانور کے درمیان کوئی فرق نہیں ہوتا تھا۔ ہندوستان میں انہیں قربانی کے لئے مندر بھیجا جاتا تھا اور حتیٰ کہ قرضہ لیتے وقت انہیں گروہی رکھا جاتا تھا۔ اگر کوئی عورت زندگی

کے کسی مرحلے میں بیوہ ہو جاتی، تو اُس کی بدقسمتی اُسے سستی ہونے پر مجبور کرتی، جس کی بنا پر وہ اپنے خاوند کی چتا پر جلا دی جاتی۔ اُس زمانے کے ایک شاعر نے کسی مشہور آدمی کی موت پر لکھا تھا: ”بھالو گیت: اس زمین کا شجاع ترین شخص آیا۔ اُس نے ایک عظیم اور مشہور جنگ لڑی۔ وہ سرداروں میں ایک دیوتا تھا۔ اُس کی بیوی جو فرمانبردار، خوبصورت اور پرکشش تھی، اُس کے پیچھے پیچھے شعلوں کی آغوش میں جل کر راکھ ہو گئی۔“ کہا جاتا ہے کہ جو عورت اپنے شوہر کی چتا پر جل مرتی، وہ اپنے شوہر کے گناہوں کا کفارہ بن جاتی۔ اور اپنے شوہر کے ساتھ جنت میں آرام سے رہ سکتی۔

چین میں جب کسی لڑکی کی شادی کرائی جاتی تھی تو باپ اپنی بیٹی کو ایک ریشمی چابک سے مارتا اور پھر وہ چابک اپنے داماد کو دیتے ہوئے کہتا کہ: ”میں نے رحم کے جذبے سے اس لڑکی کی پرورش کی ہے لیکن میں دولہا سے کہتا ہوں کہ عورت ایک پیکرِ فساد اور مجسمہٴ فریب ہے۔ ضروری ہے کہ تم اس کی چالاکیوں سے باخبر رہو۔ یہ ممکن ہے کہ عورت سالوں سال صراطِ مستقیم پر چلے لیکن یہ ممکن نہیں کہ وہ اپنی فطرت بدل دے۔“

قدیم یونان میں کہا جاتا تھا کہ سانپ کے زہر کا علاج ہے لیکن عورت کے شر کا کوئی علاج نہیں۔ حشی کہ حکیم سقراط نے بھی کہا ہے کہ : ” میں نے جس مسئلے پر غور کیا، اسے آسانی سے سمجھا، لیکن میں عورت کی فطرت کو نہیں سمجھ سکا۔ اگر دنیا میں عورت کا وجود نہ ہوتا تو دنیا امن و سکون کا گہوارہ ہوتی۔ لیکن آہ! عورت نے دنیا کے سارے امن کو تباہ کر دیا۔“

جہالت کے دور کے عرب عورت کے معاملے میں اتنے ہی نہ انصاف اور سفاک تھے۔ اُن کی سفاکی اتنی وحشیانہ تھی کہ وہ پیدا ہوتے ہی اپنی بیٹیوں کو زندہ دفن کر دیتے تھے۔ جب کوئی اس طرح کرتا تو بڑے فخر سے کہتا کہ اُس نے اپنی زندگی سے ایک بوجھ اُتار دیا ہے۔ عورتوں کا کاروبار کیسا جانا تھا۔ بیویاں وراثت میں دی جاتی تھیں اور وہ مردوں کی جائیداد کی طرح سمجھی جاتی تھیں۔

یہ تھا دنیا کا دستور۔ جب اسلام اپنی آفاقی سچائی کے ساتھ طلوع ہوا تو اُس نے دنیا کو عورت کے تقدس سے آشنا کیا۔ اُس نے عورت کی حیثیت کو بلند کیا اور قرآن نے لوگوں کو اُن کی ناصافی کے لئے خبردار کیا :

☆ ” اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم سب کو ایک جان سے پیدا کیا اور اس جاندار سے اُس کا جوڑا پیدا کیا، اور اُن دونوں سے مرد اور عورتیں پھیلائیں “
(سُورَةُ النِّسَاءِ آيَت-۱)

☆ ” قیامت کے دن مرد اور عورت یکساں ہوں گے۔ جزا یا سزا سب کو اُن کے اعمال کے مطابق ملے گی۔ “

☆ ” رشتوں کا خیال رکھو، اللہ تمہیں ہر وقت دیکھ رہا ہے۔ “
یہی وہ زمانہ تھا جب رسول اللہ ﷺ نے دُنیا کو دکھایا

کہ عورت کا مرتبہ کیا ہے اور ایک بیٹی کتنی پیاری ہو سکتی ہے۔

یہ اُن بے رحم دلوں کے لئے نئی بات تھی، لیکن انہوں نے دیکھا کہ رسول اللہ ﷺ نہ فقط اپنی زبان مبارک سے یہ

کہا کرتے تھے بلکہ آپ ﷺ کی زندگی اور گھرانہ ایک واضح تصویر تھی کہ بیٹیاں کس قدر قیمتی اور محبت کے قابل ہو سکتی ہیں۔

باپ بیٹی کے درمیان محبت کی دوسری کوئی مثال نہیں ہے جو اس قدر محترم اور محبت بھری ہو جس قدر حضرت بی بی فاطمہ بتول رضی اللہ تعالیٰ عنہا اور اُن کے والد حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے درمیان تھی۔

حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا، رسول اللہ ﷺ اور حضرت

بی بی خدیجہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی سب سے چھوٹی صاحبزادی تھیں۔

حضرت بی بی فاطمہؑ کو اپنے والدِ گرامی سے زہد و تقویٰ ملے تھے اور والدہ محترمہ کی رفاقت۔ یہ ایک ایسی بچی تھی کہ جس نے اپنی زندگی کے ابتدائی ایام سے ہی کفار کے ہاتھوں اپنے والدِ محترم پر ظلم و زیادتیاں ہوتے دیکھی تھیں۔

یہ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی شدید محبت کا نتیجہ تھا کہ آپ چھوٹی سی عمر سے ہی اپنے والدِ گرامی کی ضرورتوں کا خیال رکھتی تھیں۔ جب کبھی بھی مشرک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے مبارک وجود پر مٹی یا کوڑا ڈالنے کی گستاخی کرتے، بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کے ننھے ہاتھ اُس کو صاف کیا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ اُن کی معصوم باتیں بھی اپنے والدِ محترم کو محبت اور تسلی دینے کے لئے موجود رہتی تھیں۔

حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کو زہرا بھی کہا جاتا تھا اُن کی خوبصورتی کی وجہ سے، زکیہ اُن کی پاکیزہ سیرت کی وجہ سے، رضیہ (یعنی خوش بہ خوش)، بتول (دُنیا سے بے نیاز)، اُمّ الحسین (حسنؑ اور حسینؑ کی والدہ)، اُمّ الآئمہ (اماموں کی ماں)، اُمّ الہدای (ہدایت یافتہ لوگوں کی ماں) اور کریمۃ الطرفین (ماں باپ کی طرف سے اعلیٰ نسب)۔ آپ رضی اللہ عنہا نے کم عمری میں ہی صبر و رضا کے صحیح معنی سیکھ لئے تھے۔ آپ رضی اللہ عنہا نے

شعبِ ابی طالب کی سختیاں جھیلیں، پھر مکہ سے مدینہ کی طرف ہجرت کی، اور شیرِ خُدا، حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے شادی کے بعد آپ رضی اللہ عنہا نے سادگی اور غربت کی زندگی بسر کی۔ سلطانِ العالمین کی پیاری بیٹی محکم ملنے پر بھی خوش تھیں اور دنیا کی بجائے اللہ کی محبت کی طلب گار رہتی تھیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کو سیکھایا کہ ایک بیٹی اپنے گھرانے کے لئے کتنی اہم اور پیاری ہو سکتی ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیٹی کو ایک رحمت قرار دیا ہے، اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی حیاتِ مبارکہ نے یہ ثابت کر دکھایا کہ اُن کے والد کا فرمانا کاملاً سچا تھا۔

بی بی عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ: ایک مرتبہ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا اپنے والد کے پاس آئیں جنہوں نے آپ سے کہا: ”اے فاطمہ! کیا تم اس سے راضی نہیں کہ تم تمام مسلمان عورتوں کی سردار ہو کیونکہ ایک آسمانی فرشتے نے میری زیارت نہیں کی تھی اور اُس نے اللہ سے اُس کی اجازت مانگی تھی اور پھر اُسی فرشتے نے مجھے یہ خوشخبری دی تھی کہ فاطمہ میری اُمت کی تمام عورتوں کی سردار ہیں اور حسن اور حسین جنت کے نوجوانوں کے سردار ہیں۔“ پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ یہ بیٹی اپنے والدِ محترم کے لئے کتنی اہمیت کی حامل تھی۔

حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ جب کبھی

حضور ﷺ سفر پر جانے کا ارادہ فرماتے، تو اپنے خاندان والوں میں سے سب سے آخر میں بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس تشریف لے جاتے؛ لیکن سفر سے واپسی پر سب سے پہلے اپنی پیاری بیٹی کے گھر جاتے۔ آپ ﷺ فرمایا کرتے تھے کہ: ”فاطمہ فداک ابی و اُمّی“: یعنی ”فاطمہ! میرے ماں باپ تجھ پر قربان ہوں۔“

حضرت مسور بن مشریمہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ: فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: ”فاطمہ میری جان کا حصّہ ہے۔ پس جس نے اُسے ناراض کیا، اُس نے مجھے ناراض کیا۔“

کاشانہ نبی کے تمام افراد کا احترام تو ایک مثالی بات تھی، لیکن ایک بیٹی کا احترام اُن عربوں کے لئے جو اپنی بیٹیوں کو زندہ دفنا دیا کرتے تھے، ایک نئی بات تھی۔ انہیں اس بات پر سخت حیرت تھی کہ رسول اللہ ﷺ اپنی بیٹی سے کس طرح کا برتاؤ کیا کرتے تھے اور یہ کہ آپ کے دل میں اپنی بیٹی کے لئے کتنی والہانہ محبت اور سپردگی تھی۔

اُمّ المؤمنین، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا روایت کرتی ہیں کہ: ”حضور نبی اکرم ﷺ جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو آتے ہوئے دیکھتے تو خوش آمدید کہتے، پھر اُن کی خاطر کھڑے ہو جاتے۔“

انہیں بوسہ دیتے ، اُن کا ہاتھ پکڑ کر لاتے اور انہیں اپنی جگہ پر بٹھاتے ۔ اور جب سیدہ فاطمہ رضی اللہ عنہا آپ کو اپنی طرف تشریف لاتے ہوئے دیکھتیں ، تو خوش آمدید کہتیں پھر کھڑی ہو جاتیں اور آپ کو بوسہ دیتیں ۔ ” جمع بن عمیر تمیمی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ : ” میں اپنی پھوپھی ، حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گیا اور اُن سے پوچھا : نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو سب سے زیادہ کون عزیز تھا ، ؟ اُمّ المؤمنین نے جواب دیا ” فاطمہ ! ” ۔ پھر میں نے پوچھا : ” اور مردوں میں ؟ ” انہوں نے جواب دیا : ” اُن کے شوہر ۔ جس وقت سے میں جانتی ہوں ، وہ سب سے زیادہ روزہ رکھتے تھے ، اور جہاں تک شب بیداری کا تعلق ہے ، وہ رات کو سب سے زیادہ قیام کرتے تھے ۔ ”

حضرت ابن ابی بنیح رحمہ اللہ فرماتے ہیں : ” میں نے اپنے والد سے سنا کہ ، انہوں نے حضرت علی کریمؑ کو منبر کوفہ سے یہ فرماتے سنا ہے کہ : ” رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر آئے اور ہمارے سرہانے بیٹھ کر پانی کا برتن منگوایا ۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں برکت کی دُعا فرمائی اور ہم پر اس کے پھینٹے مارے ۔ میں نے عرض کی : یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم آپ کو مجھ سے زیادہ محبت ہے یا فاطمہ سے ؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا : ” مجھے یہ تم سے زیادہ پیاری ہے اور تم

مجھے اس سے زیادہ عزیز ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ فرماتے ہوئے اپنی بیٹی کا مرتبہ اُمت کو دکھایا کہ: ”بے شک فاطمہ میری شاخِ ثمر بار ہے، جس چیز سے اُسے خوشی ہوتی ہے، اُس چیز سے مجھے بھی خوشی ہوتی ہے اور جس چیز سے اُسے تکلیف پہنچتی ہے، اُس چیز سے مجھے بھی تکلیف پہنچتی ہے۔“

حضرت علی کریم رضی اللہ عنہ سے بھی روایت ہے کہ: ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا سے فرمایا تھا کہ: ”بیشک اللہ تعالیٰ تیری ناراضگی پر ناراض اور تیری رضا پر راضی ہوتا ہے۔“ حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کی ایک حدیث کے مطابق: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”میں درخت ہوں، فاطمہ اُس کی ٹہنی ہے۔ علی اُس کا شگوفہ اور حسن اور حسین اُس کے پھل ہیں۔ اور اہل بیت سے محبت کرنے والے اُس کے پتے ہیں۔ یہ سب جنت میں ہوں گے۔ یہ سچ ہے، یہ حق ہے۔“

یہ ہے عظمتِ فاطمہ۔ وہ عظیم بیٹی جو دنیا کی تمام عورتوں کے لئے ایک تابندہ مثال ہیں۔ انہوں نے سادگی اور پاکیزگی سے زندگی بسر کی، اُس کے باوجود اُن کے گھرانے کے لئے اُن کی محبت ذرہ بھر بھی کم نہ ہوئی۔ حضرت علی کریم رضی اللہ عنہ کا ارشاد ہے کہ: ”کئی کئی دن ایسے گزرتے کہ ہمارے پاس رکھانے

پینے کی، کوئی چیز نہیں ہوتی اور یہی حال حضور ﷺ کا ہوتا تھا۔ ایک دن میں گھر سے باہر نکل آیا۔ راستے میں مجھے ایک دینار زمین پر پڑا ہوا نظر آیا۔ دل میں سوچا کہ کیا اسے اٹھاؤں یا نہیں، پھر سوچا کہ فاتحے کے باعث ہم سخت مشکلات میں ہیں، اس لئے اُسے لے کر میں نے کچھ آٹا خریدا اور وہ لیکر بی بی فاطمہؓ کے حوالے کیا اور کہا کہ اس کی کچھ روٹیاں پکائیں۔ انہوں نے ایسا ہی کیا، لیکن کمزوری کے باعث اُن کے بال آٹے کے برتن کو چھو رہے تھے۔ پھر انہوں نے اُس سے چند روٹیاں پکائیں اور ہم وہ روٹیاں لے کر رسول اللہ ﷺ کے پاس پہنچے، جنہوں نے فرمایا: ”یہ آپ ہی لوگ رکھ لیں، کیونکہ یہ روزی اللہ نے غیب سے آپ کے لئے بھیجا ہے۔“

آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی حضرت علی کریمؓ سے شادی میں بھی دنیاوی نمائش کم اور اللہ کی رحمتیں زیادہ تھیں۔ یہ شان تھی شہزادی کونین کی شادی کی۔ رسول اللہ ﷺ نے اپنی بیٹی کا ہاتھ حضرت علی کریمؓ کے ہاتھ میں دے دیا تھا۔ جب آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہا اپنے گھر آئیں تو آپ نے دیکھا کہ وہاں صرف ایک تکیہ، ایک گھڑا اور ایک کوزہ تھا۔ یہی اثاثہ تھا، آپ کے خاوند کا اور گھر کا فرش پتھروں کا بنا ہوا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی کریمؓ کو پیغام بھیجا کہ:

میرے آنے تک اپنی بیوی کے پاس نہ جانا۔“ کچھ دیر بعد رسول اللہ حضرت علیؓ کے مکان میں داخل ہوئے اور کچھ پانی لانے کا حکم دیا۔ جب پانی پیش کیا گیا، آپ ﷺ نے اُس پر کچھ دُعا اور ذکر پڑھ کر دم کیا، پھر اُس میں سے کچھ پانی حضرت علیؓ کے چہرے پر چھڑکا۔ پھر آپ نے اپنی بیٹی کو بلایا جو اپنے کپڑوں میں رلیٹی اور شرم و حیا سے بھری آپ کے سامنے پیش ہوئیں۔ آپ رضی اللہ عنہا کے والد نے آپ پر بھی کچھ پانی چھڑکا اور فرمایا: ”میں نے آپ کا نکاح ایک ایسے شخص سے کیا ہے جو مجھے پورے خاندان میں سب سے عزیز تر ہے۔“ پھر آپ ﷺ نے ایک دُعا پڑھی اور ہجرے سے نکل آئے۔ یہ اُس جوڑے کی شادی کی سادگی تھی جن کی شادی کا اعلان آسمانوں میں کیا گیا تھا اور اُس کا جشن وہاں بھی منایا گیا تھا۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ حضرت علیؓ اپنے سر پر گھاس سے بھری ایک بوری اٹھائے گھر میں داخل ہوئے اور بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ اُسے نیچے اتارنے میں اُن کی مدد کریں۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا (چونکہ) گھر کے دوسرے کاموں میں مصروف تھیں اس لئے فوری طور حاضر نہ ہو سکیں۔ حضرت علیؓ نے بوری کو نیچے پھینکا اور بولے: ”ایسا لگتا ہے کہ گھاس کو

پھوننا آپ بے عزتی سمجھتی ہیں“ اس پر بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے معذرت کرتے ہوئے کہا: ”نہیں نہیں بالکل ایسا نہیں، میں ذرا مصروف تھی اس لئے فوری طور اٹھ کر آ نہ سکی۔ یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ میں وہ کام کرتے ہوئے بے عزتی سمجھوں جو کام میرے ابا جان کیا کرتے تھے۔“ حضرت علی کرم اللہ وجہہ اس جواب سے مسکرا دیئے اور کمرے میں چلے گئے۔ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے وصال کے بعد کسی نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے پوچھا کہ: ”بی بی فاطمہ کا رویہ آپ کے ساتھ کیسا تھا؟“ تو آپ نے پُرغم آنکھوں سے جواب دیا: ”فاطمہ جنت کی ایک خوشبودار پھول تھیں جن کے مرجانے کے باوجود انکی خوشبو سے اب تک میرا دماغ مُعطر ہے۔ انہوں نے اپنی زندگی میں مجھے کبھی شکایت کا موقع نہیں دیا۔“

حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی ان تمام دُنیاوی عورتوں کے لئے ایک نصیحت ہے جن کو ہو سکتا ہے اللہ یہ خوش بختی عطا کرے لیکن ان کے شکوہ شکایات تب بھی ختم نہ ہوں گے۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کی زندگی ایثار اور تقویٰ کی ایک مثال ہے کہ اللہ نے انہیں جس حال میں رکھا وہ اُس میں خوش اور مطمئن رہیں۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے گھر

تشریف لائے، تو آپ نے دیکھا کہ وہ اُونٹ کی کھال سے بنا ہوا لباس پہنے ہوئے تھیں اور اُس میں بھی ۱۳ پیوند لگے ہوئے تھے۔ وہ آٹا گوند رہی تھیں اور اُن کی زبان پر ذکر اللہ جاری تھا۔ آپ ﷺ کی آنکھوں میں آنسو آگئے اور آپ نے فرمایا: ”فاطمہ! دنیا کی تکلیف کا صبر سے خاتمہ کر اور آخرت کی دائمی مسرت کا انتظار کر۔ اللہ تعالیٰ تمہیں نیک اجر دے“ جب تک آپ حیات رہیں آپ اُمت کے لئے مجسم دُعا تھیں اور اب بھی جب آپ جنت کی رونق ہیں۔

اے اُمتِ محمدی! کوئی بھی کتاب اُٹھائیں ایسا لگے گا کہ اُس میں حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے بارے میں لکھا گیا ہر لفظ یا سطر اپنے اندر ایثار اور قربانی کی ایک کہانی سموئے ہوئے ہے اور اُن کے والد اور گھرانے کے لئے اُن کی بے پناہ محبت کا ایک مرقع ہوگی۔ جب ہم رشتوں میں اخلاص کی شاندار مثال تلاش کرنے کی کوشش کریں تو یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک کامل بیٹی ہیں جن میں محبت کرنے اور بے انتہا خیال رکھنے والے اوصاف پائے جاتے ہیں۔ حضرت جابر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی ایک حدیث ہے جس میں وہ روایت کرتے ہیں کہ کئی کئی دنوں تک حضور ﷺ کے پاس کھانے کے لئے کچھ نہیں ہوتا تھا۔ آپ ﷺ اپنی

ازواجِ مطہرات کے پاس اور بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کے پاس گئے مگر وہاں بھی کھانے کو کچھ نہیں ملا۔ اسی دوران بی بی فاطمہ رضی اللہ عنہا کی ایک پڑوسن نے گوشت کا ایک ٹکڑا اور دو روٹیاں بھیجیں۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے اُسے ایک پیالے میں رکھا اور فرمایا کہ: ”اللہ کی قسم، میں یہ کھانا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دے دوں گی، میں اس میں سے نہیں کھاؤں گی اور نہ ہی میرے بچے کھائیں گے۔“ اگرچہ پورا خاندان فاقہ زدہ تھا، انہوں نے اپنے ایک صاحبزادے سے کہا کہ وہ اپنے تانا جان کو بلا لائیں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو آپ نے کہا: ”اللہ نے آپ کے لئے کچھ بھیجا ہے، میں نے وہ آپ کے لئے چھپا رکھا ہے۔“ پھر وہ کھانا اٹھا لائیں، جب آپ نے برتن کا ڈھکن کھولا تو یہ دیکھ کے حیران ہوئیں کہ برتن شوربے سے بھرا ہوا تھا اور اُس میں بہت سارا گوشت اور کئی روٹیاں تھیں۔ آپ سمجھ گئیں کہ یہ اللہ کی برکت تھی جس سے برتن بھر گیا تھا۔ آپ نے اللہ کی حمد و ثناء کی اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر دُرود بھیجا اور وہ برتن اپنے والد کے سامنے رکھا جنہوں نے فرمایا:

”الْحَمْدُ لِلَّهِ، آپ کو یہ سب کہاں سے ملا ہے؟ آپ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا، ”اے ابا جان! یہ کھانا اللہ نے بھیجا ہے۔“

وہ جسے چاہے اُسے دے دیتا ہے۔ وہ بے حساب اور بے گمان دیتا ہے۔“ اس پر پدرِ مبارک نے فرمایا: ”اے بیٹی! تمام تعریفیں اُس اللہ کی ہیں جس نے تجھے نبی اسرائیل کی عورتوں کی سردار (حضرت مریم علیہ السلام) سے مشابہہ بنایا کیونکہ جب اللہ انہیں روزی دیتے تھے اور اُن سے اس روزی کا پوچھا جاتا تھا تو کہتیں یہ رزق اللہ کے پاس سے آیا ہے، اللہ جسے چاہے بے حساب اور بے گمان دیتا ہے۔“ پھر حضور ﷺ نے حضرت علی کرم اللہ وجہہ کو، حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا کو، امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو، امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اور ازواجِ مطہرات کو بلایا اور اس طرح پورے خاندان نے اُس میں سے شکم سیر ہو کر کھایا۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے فرمایا کہ سب کا پیٹ بھر کھانے کے بعد بھی برتن ابھی تک بھرا ہوا تھا، اس لئے وہ پڑوسیوں کی طرف بھیجا گیا۔ اللہ نے اُس کھانے میں خیر و برکت ڈالی تھی۔

اے اُمتِ محمدی! رسول اللہ ﷺ کی بیٹی نے دُنیا کو عورت کے مقام و مرتبہ کی تعلیم دی تھی کہ ایک عورت اپنے خاندان کے لئے کتنی باعزت اور خیال رکھنے والی ہو سکتی ہے۔ حضرت بی بی فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا ایک مثالی بیٹی، ایک مثالی بیوی، ایک مثالی ماں اور ایک مثالی شخصیت تھیں۔ آپ کی مثال پوری

دنیا کی پیروی کے لئے ہے۔ وہ بے شک اپنے والدِ محترم کی
پیاری بیٹی تھیں اور اللہ کی بھی پیاری تھیں۔

لاکھوں درود و سلام بنتِ رسول پر، بے انتہا محترم اور
معظم حضرت بی بی فاطمہ بتول رضی اللہ عنہا پر۔

آمین!

ثم آمین۔



حضرت محمد گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ

• آدابِ مُریدین :

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو عظیم اور بڑی شان والا
دب ہے، جس کا حکم متقیوں کیلئے حروفِ آخر ہے اور جسکی سلطنت
اُن تمام چیزوں پر محیط ہے جو کبھی بھی پیدا کی گئی ہیں۔
دُرود و سلام اُس نرم دل پر، اُن آنکھوں پر جو ہمیشہ یادِ
محبوب میں نم ہیں اور جو اپنی اُمت کا قلب ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ
کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو تمام عارفی نوریوں پر جو اپنے
پیارے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب ہیں۔

ہم نے ادب کے موضوع پر کئی بار گفتگو کی ہے، اور
کیوں نہ کرتے؟ کیا ادب ایک مُرید کے لئے سب سے اعلیٰ
وصف اور اثاثہ نہیں ہے؟ ادب، عمل کرنے کا ایک خاص
طریقہ ہے، لیکن وہ خاص طریقہ بہترین طریقہ ہونا چاہیے۔ ادب
کا اظہار ہر وقت ہونا چاہیے، صرف اُس وقت نہیں جب کوئی

خاص شخصیت موجود ہو، بلکہ اُس وقت بھی جب کوئی موجود نہ ہو۔ آپ کا کھانا، پینا، بیٹھنا، کھڑا رہنا، آپ کا بولنا اور سنی کہ آپ کا سوچنا بھی دائرہ ادب میں ہونا چاہیے، اور یہ ادب ہر وقت دکھائی دینا چاہیے، چاہے آپ کسی مجلس میں ہوں یا تنہائی میں۔

آدابِ مریدین اُس ادب سے بالکل مختلف ہیں جو عام لوگوں، یعنی دُنیا والوں کا ہوتا ہے۔ مرشد کا ادب طریقت کے دروازے کی چابی ہے۔ اگر آپ میں یہ ادب نہیں ہے تو چاہے آپ اپنے مرشد کی صحبت میں ہزار سال گزار لیں، پھر بھی آپ اُن سے کچھ سیکھ نہیں سکیں گے۔

اپنے مرید کے لئے مرشد کے کئی کردار ہیں۔ وہ ایک رہنما ہیں، پیشوا ہیں، والدین کے مانند ہیں، ایک خیر خواہ اور ایک محبوب ہیں۔ اگر کوئی مرید ان رشتوں میں سے کسی ایک کو بھی نظر انداز کرتا ہے تو سمجھیں کہ وہ اپنے مرشد سے سچا علم حاصل کرنے کو نظر انداز کر رہا ہے۔

آج ہم آدابِ مریدین کا جائزہ ایک عظیم ولی کے فرمودات کی روشنی میں لیں گے جنہوں نے یہ باتیں ایک کتاب ”آدابِ مریدین“ میں تحریر کی جو اہل طریقت کھیلے ایک درسی کتاب کی

جیتیت رکھتی ہے۔

حضرت گیسودراز، جو اس کتاب کے مُصنّف تھے
سلطان العارفین، سلطان الاولیا تھے جن کا تعلق خاندانِ سادات
سے تھا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت دہلی میں ۱۰۲۱ھ ہجری میں
ہوئی تھی۔ لیکن بچپن ہی میں آپ دیو گنج چلے گئے تھے جہاں
انہیں حضرت شیخ باہو رحمۃ اللہ علیہ کی صحبت نصیب ہوئی۔
ابتدائی عمر ہی سے آپ نے لمبے بال رکھ لئے تھے، کیونکہ آپ کے
زمانے میں سادات کا یہی طریقہ تھا۔ یہی وجہ ہے کہ گیسودراز آپ
کے نام کا حصّہ بن گیا۔ آپ کا اصل نام محمد تھا، صدر الدین اور
ولی الاکبر صادق آپ کے القاب تھے۔ روایت ہے کہ آپ اُن
لوگوں میں سے ایک تھے جو حضرت نصیر الدین محمود چراغ دہلویؒ
کی پاکی اُٹھایا کرتے تھے۔ ایک بار آپ کے لمبے بال پاکی کے
پائے میں اُٹک گئے جس سے آپ کو سخت تکلیف ہوئی، لیکن
ادب قائم رکھنے کی خاطر آپ رُکے نہیں اور پاکی کو آخر تک
اُٹھائے رہے۔ جب وہ منزلِ مقصود پر پہنچے اور حضرت نصیر الدین
چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو صورتِ حال کا علم ہوا، تو آپ نے فرمایا:

ہر کہ مُرید سید گیسودراز شر

واللہ خلاف نیست کہ او عشقِ باز شد

(یعنی : جو شخص حضرت گیسو دراز کا ارادت مند ہو گیا ، خدا کی قسم اُس کا عشق کبھی بھی اُسے طریقت کے خلاف کام نہیں کرنے دے گا۔)

چونکہ حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کے نانا اور والد ، حضرت نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ سے بیعت تھے ، اسی لئے اوائل عمری سے ہی آپ حضرت محبوب الہی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت خواجہ نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے کمالات کے بارے میں سنتے آرہے تھے جس کی وجہ سے غائبانہ طور پر حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے عشق میں مبتلا ہو گئے۔ یہ ایک اتفاق تھا کہ آپ کی والدہ نے کسی وجہ سے واپس دہلی جانے کا فیصلہ کیا۔ یہ دہلی میں پہلا جمعہ تھا جب حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ مسجد قطب الدین ایک نماز پڑھنے گئے جہاں آپ نے حضرت چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کو دیکھا۔ اس دیدار نے آپ کو بالکل ہی بدل ڈالا۔ آپ نے کھانا پینا بند کیا اور خاموش ہو گئے۔ اس پر آپ کی والدہ کو تشویش ہوئی اور حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کی خدمت میں دم کیلئے آپ کو بھیجا۔ لیکن جب حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ ، حضرت نصیر الدین چراغ دہلوی رحمۃ اللہ علیہ کے آستانے پر پہنچے اور اُن کو دیکھا تو اُن سے صرف حق ، حق کی صدا آرہی تھی۔ مُرشد نے اپنے ہاتھ اُنکے

شانے پر رکھے اور حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ کو اپنے حلقے میں شامل کر لیا۔ آپ کے مُرشد کا فیض اس قدر کامل تھا کہ موت کے وقت جب مُرشد سے پوچھا گیا کہ اُن کا خلیفہ کون ہوگا، تو آپ نے فرمایا: ”خلافت کا بار سنبھالنا ہر کسی کا کام نہیں۔ اپنے اپنے ایمان کی حفاظت کرو۔“ جس وقت اُن افراد کی فہرست پیش کی گئی تاکہ اُن میں سے کسی کو منتخب فرمائیں، تو شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”اس میں سید محمد (گیسو دراز) کا نام نہیں، حالانکہ وہی تو اس بار گمراہ اٹھانے کے اہل ہیں۔“

دہلی میں ہی حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے رُشد و ہدایت کا سلسلہ شروع کیا۔ پھر آپ گوالیار منتقل ہو گئے۔ وہاں سے آپ دولتانہ آباد تشریف لے گئے جہاں شاہی خاندان کے افراد، وزراء اور وکٹن کے فوجی حکمران، سلطان فیروز شاہ بہمنی نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ وہاں شاہی قلعے کے پیچھے حضرت گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا آستانہ بنایا۔ آپ ۱۰۴ برس تک زندہ رہے اور ۸۲۵ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جا ملے۔

تو آج ان بزرگ کا فیض اس محفل میں موجود ہے اور یہ آپ کی خوش نصیبی ہے کہ آپ اُن کے دل سے نکلنے والے بصیرت کے الفاظ سنیں گے، وہ الفاظ جو اہل طریقت کے تمام

مریدین کے لئے مشعلِ راہ ہونے چاہیئے۔

حضرت خواجہ گیسو دراز رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ: ”بُبتدی کو چاہیئے کہ وہ اپنے لئے ایک مُرشدِ ہادی تلاش کرے۔ مُرشدِ حقی دو قسمیں ہیں: ایک ہادی اور دوسرا منذر۔ مُرشدِ ہادی، مُرید کو غیرِ حق سے دور رکھے گا اور اُسے دعوتِ حق کی طرف بلائے گا؛ جبکہ مُرشدِ منذر خود ”اُس“ دنیا کے بارے میں نہیں جانتا۔ اس لئے طالب کو چاہیئے کہ اُسے معلوم ہو کہ وہ کس قسم کے شخص کے پاس ہدایت کے لئے جا رہا ہے۔

دوسرا یہ کہ وہ جواں مُرد ہو اور ہمت والا ہو تاکہ وہ اپنے دل کو اپنے گھر سے، اپنے مال سے، اسباب اور اپنے خاندان سے الگ کر سکے۔ اُسے تزکیۂ نفس کرنا چاہیئے، یعنی خود کو حُصا حُصا سے بچائے، کذب، شہوت، غیبت سے بچائے رکھے اور اُسے چاہیئے کہ وہ دنیاوی خواہشات سے دُور رہے۔ اور اُسے یہ بھی چاہیئے کہ وہ اپنی ریاضت اور مجاہدے کا حساب نہ رکھے اور وہ سمجھے کہ اُس نے کچھ نہیں کیا۔ اُسے چاہیئے کہ جس قدر ممکن ہو خود کو الگ تھلگ رکھے۔ اُس کے لئے ضروری ہے کہ وہ حلال کی روزی کھائے اور اتنا کھائے جتنا کہ زندہ رہنے کے لئے ضروری ہو۔ تائی کے روزے رکھنا بہتر ہے، مگر اکشر لوگ

صوم دوام کو بھی یہی سمجھتے ہیں۔ اُسے مرشد کے احکام بجالانے کے لئے مستعد ہونا چاہیئے اور خفیف باتوں پر توجہ نہ دے۔ اُسے خم سونا چاہیئے اور نفس کے پیچھے نہیں بھاگنا چاہیئے۔ اگر اُس سے کوئی لغزش ہو جائے، تو اُسے خود کو سزا دینی چاہیئے، مثلاً ایک سخت مجاہدہ اپنے لئے لگائے۔

ایک دوسری شرط مُرید کیلئے یہ ہے کہ وہ اپنے آباؤ اجداد پر فخر نہ کرے اور نہ ہی اپنے علم و عقل پر، بلکہ خود کو زیادہ بدتر، ذلیل و خوار سمجھے، کیونکہ جو بھی ایسا کرتا ہے وہ اللہ کے قریب ہے، وہ اپنے وضو اور طہارت پر اتنا وہم نہ کریں کہ اُس کی نماز اور اوراد کا وقت ختم ہو جائے۔ وہ کوئی خاص یا مختلف قسم کا لباس نہ پہنے۔ جب بھی مُرید فارغ ہو، اُسے راہ کے لئے جدوجہد جاری رکھنا چاہیئے۔ اگر اُس کے خیال میں اُس کا وضو نہیں ہے، پھر بھی اُس کا دل حاضری اور مراقبے سے خالی نہ ہو۔ طالب کو ہر وقت یہ کہنا چاہیئے کہ: "اللَّهُمَّ زِدْنِي" اور "هَلْ مِنْ مَدَابِرٍ": جیسے کہ حضرت عبدالحسن نوری رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ: "بغیر دیدار و معرفت کے محبت فضول ہے۔ اصل محبت وہی ہے جو معرفت و دیدار کے بعد پیدا ہو۔" طالب کو صرف ایک راہ تلاش نہیں کرنی چاہیئے۔ اس کے برعکس اُسے تمام دروازوں کو تلاش کرنا چاہیئے، کیونکہ

سُورَةُ يُوسُفَ فِي اللّٰهِ تَعَالٰی فرماتا ہے : ” ایک دروازے سے داخل نہ ہونا اور جُداً جُداً دَرِوَازے سے جانا ۔ (سورَةُ يُوسُفَ ۶۷) تمام دروازوں سے اپنے یوسف کو تلاش کریں ۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ طالب کو ہر قسم کے نیک اعمال کرنے کی کوشش کرنی چاہیئے ۔ کچھ طالب قلندر یا دیوانے اور کچھ جوگی ہو جاتے ہیں لیکن آپ کو جاننا چاہیئے کہ مطلوب حجاب ، عزت اور غیرت میں چھپا ہوا ہے اور اُس تک پہنچنے کا راستہ وہ ہے جو آپ کے مُرشد آپ کو دکھائیں گے اور جس کی تعلیم رسول اللہ ﷺ نے دی ہے ۔ طالب کو کشف و کرامات حاصل کرنے کی کوشش نہیں کرنی چاہیئے کیونکہ یہ چیزیں حجابِ عظیم ہیں ۔ طالب کو صرف اپنا خاص مقصد پیش نظر رکھنا چاہیئے ؛ اس کے علاوہ دوسری چیزیں اُس کے لئے کفر اور جہنم ہیں ۔

ایک سالک کو چاہیئے کہ وہ آدابِ زندگی سے اچھی طرح آگاہ ہو ۔ جس طرح بچپن میں وہ ابتدائی اخلاقیات اپنی ماں سے سیکھتا ہے ، بالکل اسی طرح ایک مُرید کو اپنے مُرشد کے لئے اخلاقیات اور آداب کا سیکھنا ضروری ہے ۔ جب کبھی بھی وہ اپنے مُرشد کی خدمت میں حاضر ہو تو اُسے اپنے مُرشد کا جمال و کمال اپنے پیش نظر رکھنا چاہیئے ۔ اپنے مُرشد کے حضور نہایت

آہستگی سے چلیں، اور اگر آپ کوئی تبرک لائے ہیں، تو اُسے انتہائی احترام کے ساتھ اُن کے سامنے رکھیں۔ رخصت ہوتے وقت اپنی پشت اُن کی طرف نہ کریں، (کیونکہ) جس طرح کہ مُرید کا دل مُرشد کی جانب متوجہ ہوتا ہے اسی طرح اُس کا منہ بھی اُن کی طرف ہونا چاہیے۔ جس وقت مُرشد کے آگے بیٹھا ہو، مُرید کو نہ ادھر ادھر دیکھنا چاہیے اور نہ بلا ضرورت مُڑنا چاہیے۔ مُرشد کی آمد یا رخصت ہوتے وقت اُٹھ کر کھڑے ہونا چاہیے۔ اُسے اپنے مُرشد کے آگے کوئی وظیفہ یا تلاوت نہیں کرنی چاہیے اور نہ ہی اُسے مُرشد کو نفلی عبادات کے لئے چھوڑنا چاہیے۔ جب مُرشد اُس کی طرف دیکھیں تو اُسے اُنکی آنکھوں میں نہیں دیکھنا چاہیے۔ اس کے برعکس اُس کو اپنی نگاہ نیچی رکھنی چاہیے۔

اگر مُرشد اُسے کوئی حکم دیں تو اُسے ایک رحمت سمجھے اور اُن کے اندازِ گفتگو اور چلنے وغیرہ کے انداز کی نقل کرنے کی کوشش کرنی چاہیے۔ مُرشد کا نام گرامی اُسکی زبان پر ہونا چاہیے اور تصویرِ مُرشد سے ایک لمحے کے لئے بھی غافل نہیں ہونا چاہیے۔ مُرید کو چاہیے کہ مشاہدہ غیب کرتے وقت ہمیشہ مُرشد کو پیش نظر رکھے اور یہ سوچے کہ اُس پر مُرشد کی تجلّی ہے۔ جب مُرید اس عمل کو جاری رکھے گا، تو پھر ایک وقت آئے گا کہ خلوت میں

مُرشد اُس کے سامنے آئیں گے اور مُرشد کی تجلی کا عکس مرید کے دل پر پڑے گا۔ اس کی مثال اس طرح ہے کہ: ”دیکھو آفتاب کا عکس پانی میں پڑتا ہے، اور پانی کے پاس جو دیوار ہوتی ہے اُس کے اوپر پانی کا عکس نمودار ہوتا ہے۔ دیوار میں کثافت کے سبب سے، یہ قابلیت نہیں ہے کہ آفتاب کا عکس اُس پر ظاہر ہو مگر جب وہ پانی کے قریب ہوتی ہے تو آفتاب کے عکس میں سے پانی کی وجہ سے اس نے اپنا حصہ لے لیا۔“

تو اب آپ جان چکے کہ مُرشد کے قلب کی توجہ کا فائدہ کیا ہے۔ مُرشد، اللہ کے امر کے بغیر کچھ نہیں کرتے۔ اگر آپ اپنے مُرشد کے سچے طالب ہیں، تو یہ سوچیں کہ آپ کو جو کچھ فیض مل رہا ہے، وہ آپ کے مُرشد کی طرف سے ہے۔ اگر دل سچا ہو تو آپ کے مُرشد کے مُرشدین بھی آپ پر مہربان ہوں گے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے پوچھا: ”معاذ! تم رات کو کیا کرتے ہو؟“ حضرت معاذ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں ایک تہائی رات آپ پر دُرود بھیجتا ہوں، پھر میں خود کو اللہ کی عبادت کے لئے وقف کرتا ہوں۔“ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”معاذ! اگر

ممکن ہو تو زیادہ دُرود پڑھا کر۔“ کچھ عرصے بعد آپ ﷺ نے پھر پوچھا: ”معاذ! تم رات کو کیا کرتے ہو؟“ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا:۔ ”میں آدھی رات تک دُرود پڑھتا ہوں اور باقی نصف شب میں اللہ کی عبادات میں مصروف رہتا ہوں۔“ اس پر رسولؐ نے فرمایا: زیادہ دُرود پڑھو اگر ممکن ہو۔“ پھر کچھ عرصے بعد رسولؐ نے صحابی سے پوچھا کہ وہ رات کس طرح بسر کرتے ہیں، تو اس بار حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے جواب دیا: کہ وہ رات کے دو تہائی حصے میں دُرود اور رات کے ایک تہائی حصے میں عبادتِ الہی کرتے ہیں۔ اس پر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”تم صحیح کر رہے ہو، اس عمل کو جاری رکھو!“

رسول اللہ ﷺ نے عبادتِ الہی کو کم کرنے اور دُرود زیادہ پڑھنے کا حکم کیوں دیا تھا؟ اس کا سبب یہ تھا کہ رسول اللہؐ جانتے تھے کہ حضرت معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس راہ کو از خود عبور نہیں کر سکتے تھے۔ وہ منزل تک صرف اُس وقت پہنچ سکتے ہیں جب وہ رسول اللہ ﷺ کو وسیلہ بنائیں گے۔ مُرشد و مُرید کا معاملہ بالکل اسی طرح کا ہے۔ آپ نے سنا ہوگا کہ فیصلے کے دن حضرت علیؑ کی ساقی ہوں گے۔ اپنے مُرشد کو حضرت علیؑ کی ساقی کا نائب سمجھیں۔ اگر مُرید کا مقام مُرشد کے مقام سے بلند تر

ہو جائے ، تو تب بھی اُسے اپنے مُرشد کی اطاعت نہیں چھوڑنی چاہیے ، کیونکہ اس دُنیا کے یومِ آخر کو مُرید کا مقام چاہے کچھ بھی ہو ، وہ اپنے مُرشد کے پیچھے ہی کھڑا ہوگا۔

اپنا دل اپنے مُرشد کے سولے کریں اور جانئے کہ یہی آپ کے دل کے لئے بہترین ہے۔ جب کبھی بھی شادی، مہمانی یا غمی کا کوئی موقع ہو، اپنے پیر بھائیوں کے ساتھ رہیے، چاہے وہ معمولی مقام والے ہی ہوں۔ ایک مُرید کو خود میں مکارم، اخلاق، مقامات اور اسواں کے جوہر پیدا کرنے چاہیے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ: ”کیا میں آپ لوگوں کو اُن لوگوں کے بارے میں بتاؤں جو قیامت والے دن میرے قریب تر اور عزیز تر ہوں گے؟“ لوگوں نے کہا: ”فرما دیجئے۔“ پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”وہ لوگ جو نیک اخلاق، نرم خو محبت کرنے والے، محبت کئے جانے والے ہوں گے۔ اور اُن لوگوں کے اخلاق یہ ہوں گے:۔ محبت، دلاوری، چشم پوشی، پردہ پوشی، صبر و رضا، بشارت، بربادی، تواضع، شفقت، مصیبت کو برداشت کرنا، لوگوں کی خدمت کرنا، سخاوت، عفو و درگزر، وفا، حیا، حُسن ظن، بزرگوں کی تعظیم

کرنا ، چھوٹوں پر رحم کرنا ، دوسروں کے ہدیے کو بڑا سمجھنا ، اور
 اپنی طرف سے ہدیے کو چھوٹا سمجھنا ۔
 مقامات تک پہنچنے کے لئے سب سے پہلا عمل خوابِ
 غفلت سے جاگنا ہے ۔ پھر توبہ کا عمل ہے ۔ اُس کے بعد بڑی
 کثرتِ استغفار کا ہے ۔ اس کے بعد اُتابت ہے ، یعنی غفلت
 سے نکلنا اور ذکرِ الہی میں رہنا ۔ پھر وارا ہے ، یعنی اُن چیزوں
 کو چھوڑ دینا جو مشکوک ہوں (یعنی حلال یا حرام) ۔ پھر باری ہے
 محاسبہٴ نفس کی اور پھر ہے ارادت ، یعنی آسائشوں کو ترک کرنا
 اور عبادات میں مشغول رہنا ۔ پھر باری ہے زہد کی ، یعنی دنیا
 کے حلال کو چھوڑنا اور شہوت سے دور رہنا ۔ پھر فقر ہے جس کا
 مطلب دل کو دنیا سے خالی رکھنا ہے اور دنیاوی مال کا مالک
 نہ ہونا ۔ اُس کے بعد صدق ہے ، یعنی ظاہر و باطن میں ایک
 ہونا ۔ پھر باری ہے صبر کی ، یعنی مصائب کو برداشت کرنا ۔
 اُس کے بعد رضا ہے ، جس کا مطلب ہے نسبتِ خداوندی میں
 لذت محسوس کرنا ۔ پھر اخلاص ہے ، یعنی معاملاتِ خداوندی
 سے خلقت کو الگ سمجھنا ؛ اور پھر توکل ہے ، جس سے مُراد
 ہے اپنے دل سے طمع دور کرنا اور خدا ہی کی رزاقیت پر
 بھروسہ کرنا ۔

اگر ہم احوال دیکھتے ہیں تو وہ قلب کی صفائی کے بعد آتے ہیں۔ حال کو دوام حاصل نہیں، تو (اس طرح) ایک ہے مراقبہ جس کے معنی ہیں صفائی۔ پھر قرب ہے، یعنی غیر سے پرے رہنا اور کامل توجہ اللہ کی طرف کرنا۔ اُس کے بعد محبت ہے، یعنی ایسے ہو جانا جیسے محبوب چاہے؛ پھر ہے رجاء، یعنی اللہ نے جو کچھ وعدہ فرمایا ہے اُس پر یقین کرنا۔ اُس کے بعد خوف ہے، یعنی یہ جاننا کہ اللہ کی گرفت بڑی مضبوط ہے۔ پھر حیا کی باری ہے یعنی دل کو گشادہ روی سے روکنا۔ پھر اُنس، یعنی اللہ کے آگے عاجزی۔ اور پھر ہے طمانیت، یعنی اللہ کی رضا میں مطمئن رہنا۔ پھر باری یقین کی ہے، جس کا مطلب ہے بغیر شک کے تصدیق کرنا۔ اور اُس کے بعد ہے مشاہدہ، یعنی اللہ کی عبادت اس طرح کرنا گویا آپ اُسے دیکھ رہے ہیں، اگر نہیں تو وہ تو آپ کو دیکھ ہی رہا ہے۔

اے اُمتِ محمدی! آدابِ مریدین ایک مرید کے لئے ایک تاحیاتِ مسلسل عمل ہے۔ یہ آپ کے ادنچا چڑھنے کے لئے سیڑھی ہے۔ یہ غیب کی طرف جانے والے دروازے کی کھنچی ہے۔ یہ راہِ طریقت ہے، آپ کو ادب کی اہمیت کا احساس ہونا چاہیے کیونکہ یہ بڑی تیزی کے ساتھ دلوں سے

غائب ہو رہا ہے۔ یہ ادب آپ کے لئے قوت کی طرح ہے۔
آپ کی طاقت ہے اور وہ جو اس کو اپنے گره میں باندھتے
ہیں وہی یقیناً کامیاب ہو جاتے ہیں۔ ان کی راہ پر رحمت
برسے گی اور وہ ضرور اپنی منزل تک اپنی توقع سے بھی پہلے
پہنچ جائیں گے۔

میری دعا ہے کہ اللہ ہر مسلمان کو ایک کامل مُرشد عطا
کرے تاکہ وہ اُسے اللہ کی راہ پر چلنا سیکھائیں۔

آمین!

ثم آمین



حضرت سلطان باھو رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو نہایت رحم والا ،
بے انتہا فیاض ہے ؛ وہ نور السموات والارض ہے ، وہ روشنی
جو ہر ایک کی رہنمائی سیدھے راستے کی طرف کرتی ہے۔
دُرد و سلام نبی ؐ اُمّی پر جو اس سیدھی راہ کے اُستاد
ہیں اور جنہوں نے دُنیا کو دکھایا ہے کہ جیت ہمیشہ حق (سچ) کی
ہوتی ہے۔

۶

سلام ، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور
آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی عاجز دلوں پر اور پاک ارواح
پر جنہیں خوشی فقط اللہ کے نام میں ملتی ہے۔

آج کی محفل کتنی مبارک محفل ہے اور یہ کیسے عظیم لمحات
ہیں کہ جب آپ ایک ایسے عاشق کے ذکر میں شریک ہیں جو
محبت کے معنی جانتے تھے، جو اس محبت کو اپنے محبوب تک
پہنچانا جانتے تھے، جو ہر عاشق کے دل کے گیت کو جانتے

تھے ، وہ جو وہ الفاظ ادا کرنا جانتے تھے جو اُس سنگیت سے ہم آہنگ ہوں۔ یہی سبب ہے کہ جب کبھی کوئی عاشق ان الفاظ کو سُنتے ہیں تو اُن کے دل وجد میں آکر پھڑپھڑانا شروع کرتے ہیں اور اُنکی ارواح اس تال کے ساتھ جھومنے لگتی ہیں۔ اس کا سبب یہ ہے کہ ہر جانب اُس دنیا کی ایک جھلک دیکھ لیتے ہیں جس میں اُن کے محبوب کا عکس موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُنکے دل اُن الفاظ سے ہم آہنگ ہوتے ہیں :

ۛ

پنجابی: ز۔ زاہد زہد کریندے تھکے روزے نفل نمازاں ہو
عاشق غرق ہوئے وچ وحدت اللہ نال محبت رازاں ہو
جیہڑے مکھی قید شہد وچ ہوئی کی اڈسی نال شہبازاں ہو
جنہاں مجلس نال نبی دے باہو اوہ صاحب رازنیازاں ہو

ترجمہ :- زاہد خشک اسپر رسم روزہ و نفل و نماز ہوئے

عاشق غرق وحدت ہو کر اللہ کے ہمراز ہوئے

شہد میں ڈوبے مور و ملخ کب ہمہ و ش شہباز ہوئے

خلوتیان بزم نبوت اہل راز و نیاز ہوئے

یہ سلطان شاہجہان کا دور تھا جب سادات کے ایک بزرگ

صاحب کرامت ولی اور سلطنتِ دہلی کے منصب دار موجود تھے۔

آپ نے ایک نہایت نیک اور پارسا خاتون سے شادی کی جن کا نام بی بی راستی تھا۔ یہ سادات حضرت بایزید محمد تھے جو اپنی بیوی کے تقویٰ اور پرہیزگاری سے بے حد متاثر تھے اور محسوس کرتے تھے کہ اُن کی شادی ایک غیبی اشارہ ہے کہ وہ بھی دنیا کو ترک کریں، اس لئے وہ گھوڑے پر سوار ہو کر تنہا ملتان کیلئے چل پڑے۔

جب آپ وہاں پہنچے تو حاکم ملتان نے آپ کو قلیل اُجرت پر ایک کام دیا لیکن کچھ عرصے کے بعد یہ ولی ذکر الہی کے لئے اُس شہر کے ایک چھوٹے سے مکان میں خلوت میں بیٹھ گئے۔ پھر ایک بہت ہی عجیب و غریب واقعہ دریائے ستلج کے قریب پیش آیا جب حاکم ملتان اور راجہ مرات کے درمیان جنگ چھڑ گئی۔ حضرت بایزید کو اس کی اطلاع ہوئی تو آپ حاکم ملتان کے پاس گئے اور فرمایا: ”میں راجہ کے ساتھ لڑنا چاہتا ہوں۔ حاکم نے حیران ہو کر کہا: ”آپ کس طرح لڑیں گے۔ آپ کون سا لشکر لے جائیں گے؟“ اس پر آپ نے فرمایا: ”چونکہ میں آپ کا دیا ہوا اکیلے کھاتا ہوں، اس لئے میں اکیلے ہی لڑوں گا۔“ سارے درباری یہ سن کر مسکرائے گئے، لیکن حاکم نے آپ کو آپ کی خواہش کے مطابق کرنے کی اجازت دیدی۔

کہتے ہیں کہ جب حضرت بایزید قلعے کے دروازے پر پہنچے تو
 پہرے داروں نے سمجھا کہ آپ کوئی ایلچی ہیں، اس لئے آپ کو
 اندر جانے دیا۔ آپ نے اپنا گھوڑا قلعے کے ساتھ ایک جگہ پر
 باندھ دیا۔ اور اس طرح آپ راجہ کے دربار تک پہنچ گئے۔ آپ
 کو دیکھ کر سارے درباری حیرت زدہ ہو گئے۔ اور سمجھے کہ ایک
 مسلمان، ایلچی بن کے آئے ہیں، اس لئے انہوں نے بھی آپ کو
 نہیں روکا۔ حضرت بایزید ایک شان بے نیازی سے راجہ کے
 قریب آئے اور چند لمحوں میں اپنی تلوار نکال کر اُسے قتل کر ڈالا۔
 پھر آپ نے راجہ کا سہرا اپنے ہاتھوں میں لیا اور اپنے گھوڑے
 پر سوار ہو گئے۔ یہ سب کچھ اتنا اچانک ہوا کہ تمام درباری سکتے
 میں آگئے اور کچھ وقت تک اپنی جگہ سے ہل بھی نہیں سکے۔
 حضرت بایزید قلعے کے دروازے پر جب پہنچے تو وہ قدرتی طور
 سے اپنے آپ ہی کھل گیا اور یہ دلی دہاں سے نکلنے میں کامیاب
 ہو گئے۔ اس کی خبر جب بادشاہ کو ملی تو وہ اپنے دربار میں آپ
 کی واپسی کے منتظر ہو گئے۔ مگر آپ نے یہ فرما کر دربار میں جانے
 سے انکار کیا کہ آپ اپنی باقی زندگی ذکرِ الہی میں بسر کریں گے۔
 بہر حال انعام کے طور پر آپ کو شور کوٹ میں ایک گاؤں اور
 پچاس ہزار (۵۰,۰۰۰) بیگھے زمین عطا کی گئی۔

حضرت بایزد اور آپ کی بیوی شور کوٹ میں رہنے لگے
کچھ عرصے بعد اُن کو ایک فرزند کی ولادت سے نوازا گیا جن کا
نام والدہ نے سلطان باہو رکھا۔

حضرت باہو رحمۃ اللہ علیہ نے بعد میں ایک مرتبہ فرمایا کہ: ”اللہ
میری والدہ پر رحمت کرے کہ انہوں نے میرا نام ”باہو“ رکھا،
جو ایک نقطہ کے باعث ”یاہو“ میں بدل سکتا ہے۔

حضرت بی بی راستی کو حضرت سلطان باہو کی ولادت
سے پہلے ہی ایک ولیء کامل کے ہونے کی بشارت مل چکی تھی۔
اس کی تصدیق اُس وقت ہوئی جب رمضان شریف میں دن
کے وقت یہ طفل ماں کا دودھ نہیں پیتے تھے، اور دودھ پینا
افطار سے شروع کرتے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ
کو مادر زاد ولی کہتے ہیں۔

جب حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے چلنا شروع کیا تو
ایک عجیب واقعہ ظہور میں آیا۔ آپ سر جھکا کر چلتے تھے لیکن
جُو نہی آپ سر اٹھا کر کسی مسلمان کی آنکھوں میں آنکھ ڈال کر
دیکھتے، تو وہ تھر تھر کاپنے لگتا اور پکار اٹھتا کہ: ”وَللّٰہِ یہ کوئی
عام بچہ نہیں ہے۔“ اور اگر ننھا سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کسی ہندو کی
آنکھوں سے آنکھیں ملاتے، تو وہ شخص اُسی وقت اسلام قبول کرتا۔

یہ تھی آپ کی آنکھوں کی نورانیت ۔

اُس علاقے کے ہندو اس صورتِ حال سے گھبرا گئے اور آپ کی والدہ سے کہا کہ وہ اپنے بیٹے کو خاص اوقات کے علاوہ باہر نہ نکلنے دیں۔ انہوں نے اس بچے سے بھی کہا کہ وہ باہر نکلنے وقت پاؤں میں چھوٹے گھنگرو باندھے رکھے۔

ایک مرتبہ جب آپ کہیں سے گزر رہے تھے، تو اُس گلی کے ہندوؤں نے آپ کی طرف پیٹھ موڑ لی تاکہ خود کو آپ کی آنکھوں کے اثر سے بچا سکیں ۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ جب جوان ہوئے تو آپ نے تین مرتبہ شادی کی ۔ ایک بار تو جب آپ حضرت مخدوم بہاؤ الدین زکریا ملتانی رحمۃ اللہ علیہ کے مزار پر مراقب تھے تو آپ نے ایک پاکیزہ شخص کی رفاقت کی خواہش ظاہر کی ۔ حضرت بہاؤ الدین زکریاؒ کے روحانی فیض نے اس خواہش کو قبول کیا اور فرمایا کہ :

”بہت جلد آپ کو اللہ نے چاہا ایسی خاتون مل جائے گی۔“ ہوا یہ کہ آپ کی ملاقات ایک ہندو لڑکی سے ہوئی جس نے اس ولی کے چہرے کو دیکھتے ہی اسلام قبول کیا اور پھر آپ کے پیچھے پیچھے چلنے لگی ۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کو یہ دیکھ کر اپنی دُعا یاد آئی تو آپ نے سوچا کہ یہ وہی پاکیزہ خاتون ہیں جس کے لئے

آپ نے دُعا مانگی تھی ۔ یہ دج ہے کہ آپ نے اُس خاتون سے
 نکاح کیا اور اُسے گھر لے آئے ۔ حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ کی
 والدہ بھی ایک صاحب کشف ولیہ تھیں ۔ اس لئے جب انہوں نے
 اپنے روحانی کشف سے یہ معلوم کیا کہ کیا ہوا ہے ، تو انہوں نے
 اس کا ذکر آپ کی دوسری بیویوں سے کیا ۔ جب سلطان باہور
 گھر تشریف لائے تو ماں خوش نہیں تھیں اور آپ سے کہا کہ
 وہ اپنا وقت اللہ کی معرفت حاصل کرنے میں بسر کریں بجائے
 شادیاں رچانے کے ، اور اس کے لئے ایک مرشد کو تلاش
 کریں ۔ جب حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ نے یہ سنا تو آپ
 دریائے راوی کے کنارے پر چلے آئے جہاں آپکی ملاقات
 ایک مشہور بزرگ ، حضرت شاہ حبیب اللہ قادری رحمۃ اللہ علیہ سے
 ہوئی جنہوں نے اس نوجوان دلی کو اپنی خانقاہ میں قبول کیا ۔
 اگلے دن حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ دریا پر گئے اور ایک
 چھوٹے مشک میں پانی بھرا اور پھر اسی کم مقدار پانی سے
 خانقاہ کے تمام حتاموں کو بھر دیا ۔ خانقاہ کے خادم نے
 یہ بات مرشد کو بتادی ۔ وہ یہ سن کر کچھ دیر خاموش رہے
 اور پھر حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ سے پوچھا کہ آیا آپ کے
 پاس کوئی دنیاوی اثاثہ ہے ۔ جب سلطان باہور نے اس کا

اقرار کیا ، تو مرشد نے آپ سے فرمایا کہ اگر آپ معرفت کا مقام حاصل کرنا چاہتے ہیں تو اُن سب چیزوں کو چھوڑ دیں۔ تو اس طرح حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ اپنے گھر گئے۔ آپ کی والدہ نے اپنے کشف سے یہ سب کچھ معلوم کر لیا تھا اس لئے انہوں نے آپ کی بیویوں سے کہا کہ وہ اپنے زیورات کو زمین میں چھپا دیں۔ لیکن جب یہ دلی گھر پہنچے تو فوراً ہی اُسی جگہ گئے اور فرمانے لگے: ”مجھے تو اس گھر میں دُنیا کے مال کی بُو آرہی ہے۔“ پھر آپ نے وہ زیورات نکال کر دوسروں کے حوالے کر دیئے۔

(لیکن) مُرشد کے پاس اس دلی کے لئے ایک اور سخت شرط تھی۔ انہوں نے آپ سے فرمایا کہ آپ اپنے پیر کی بیڑیوں سے چھٹکارا حاصل کرنے کے لئے اپنی تمام بیویوں کو طلاق دے دیں۔

اس مرتبہ بھی والدہ کو معلوم ہو گیا اور انہوں نے آپ کی بیویوں کو اپنے پیچھے چھپا لیا۔ جب بیٹے آئے تو والدہ نے فرمایا: ”اب آپ کی بیبیوں کا آپ کے اوپر کوئی حق نہیں ہے، وہ اپنے تمام حقوق اللہ کی خاطر چھوڑ رہی ہیں تو اب آپ بغیر بیڑیوں کے واپس جاسکتے ہیں۔“

یہ آزمائشیں دلی کے لئے واقعی بہت سخت تھیں، لیکن آپ ان سب میں کامیابی سے گزرے، اور پھر آپ کو سید عبدالرحمن قادری کے پاس بھیجا گیا جو اُس وقت اپنے کچھ مُریدوں کو تعلیم دے رہے تھے۔ انہوں نے درس کو روکتے ہوئے خادم سے فرمایا: ”ہماری خانقاہ کی طرف ایک درویش آرہے ہیں، جاؤ اور انہیں نہایت احترام سے لے آؤ۔“ جب سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ تشریف لے آئے، تو شیخ نے اُٹھ کر استقبال کیا اور انہیں خلوت میں لے گئے اور چند لمحوں میں رُوحانی فیض سے نوازا۔ کہتے ہیں کہ فیض حاصل کرنے کے بعد حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ بازاروں میں گھومتے رہتے اور جس طرف بھی آپ دیکھتے، لوگ آپ کی توجہ سے فوراً ہی متاثر ہوتے۔

اس کی وجہ سے وہاں ایک بڑی ہلچل سی مچ گئی اور ہجوم اس قدر بڑھ گیا کہ تمام راستے بند ہو گئے۔ جب یہ خبر حضرت سید عبدالرحمن قادری رحمۃ اللہ علیہ کے خانقاہ تک پہنچی، تو انہوں نے فوراً ہی دلی کو بلایا اور آپ سے پوچھا کہ آپ اس نعمتِ خاص کو ہر ایک میں تقسیم کیوں کر رہے ہیں؟ حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ نے جواب دیا: ”یہ آپ ہی کا حکم تھا کہ

فیض کو عام کرو ۛ اور آب انشاء اللہ یہ نعمت قیامت تک
بڑھتی ہی رہے گی۔

حضرت سید عبدالرحمن قادری رحمۃ اللہ علیہ سے فیض کے
حصول کے بعد حضرت سلطان باہوؒ کی محبت میں کئی گنا
شدت آگئی اور آپ کی بے چینی اور اضطراب آپ کو پہاڑوں
اور دیرالوں میں لے گئیں۔

ایک بار آپ پنجاب کے پہاڑوں میں سے گزر رہے
تھے کہ آپ نے ایک لڑکے کو دیکھا جو اپنے ریوڑ کے ساتھ تھا۔
جو نہی لڑکے کی نظر اس ولی پر پڑی، وہ اچانک بے قابو ہو کر
آپ کے گرد ناچنے لگا۔ جب ولی نے دوسری مرتبہ لڑکے کی
جانب دیکھا، تو وہ لڑکا دوبارہ اپنے ہوش میں آیا۔ اس پر
حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”لڑکے تم اپنا کام کرو
اور ہمیں اپنا کام کرنے دو۔“ مگر لڑکا نہ مانا اور ولی کے پیچھے ہو
لیا۔ تو سلطان باہوؒ لڑکے کو اپنے ساتھ لے چلے۔ یہی لڑکا بعد
میں حضرت سلطان نورنگ رحمۃ اللہ علیہ کے نام سے مشہور ہوا۔ جب
دونوں ایک سرسبز پہاڑی مقام میں داخل ہوئے تو اس جگہ
کی خوبصورتی دیکھ کر حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ جذب میں آگئے۔
آپ نے وہاں تین دن اور تین راتیں قیام کیا، اسی کیفیت میں۔

جب آپ اپنے آپلے میں آئے تو اُس نوجوان لڑکے نے،
جو اتنے دنوں تک بھوکا رہنے کا عادی نہیں تھا، شکایت
کی۔ اس پر حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا:

ے برات عاشقاں بر شاخ آہو

ترجمہ :- ”عاشقوں کا حصّہ ہرن کے سینگوں پر ہوتا ہے۔“

جیسے ہی یہ الفاظ ادا ہوئے، کہیں سے ایک ہرن نمودار ہوا
جس کے سینگوں پر کھانے کا ایک خون اور اُس کی گردن سے
پانی کا ایک مشکیزہ لٹک رہا تھا۔ حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے
پھر اپنے مُرید سے فرمایا: ”اللہ کی نعمتوں سے افطار کر۔“
حضرت سلطان نورنگ اپنے مرشد کے ساتھ ۳۰ سال تک
رہے اور آپ کے خلیفوں میں سے ایک بنے۔

یہ بھی کہا جاتا ہے کہ حضرت سلطان باہو کی پیشانی
اس قدر روشن تھی کہ ایسے لگتا تھا کہ ایک ”نور“ وہاں سے
پھوٹ رہا ہو اور دلوں کو اس طرح چیر رہا ہو اور انہیں
شوق و جذب سے تڑپا رہا ہو۔

روایت ہے کہ ایک بار حضرت سلطان العارفین رحمۃ اللہ علیہ

اپنے کچھ درویشوں کے ہمراہ دریائے سندھ کے کنارے سفر
میں تھے، اور وہ کھانے کے لئے ایک عورت کے گھر پر رُک

گئے۔ عورت نے یہ کہہ کر معذرت کر لی کہ اُس کی شیرخوار بچی بیمار ہے جس کی وجہ سے وہ اُن کے لئے کھانا نہیں تیار کر سکتی ہے۔ حضرت سلطان باہور نے عورت سے کہا کہ وہ بچی کو پالنے میں لٹائیں اور خود روٹی پکائیں اور آپ خود پالنے کو جھولائیں گے تاکہ بچی خاموش رہے۔ جب سلطان باہور نے جھولا جھولانا شروع کیا تو اُس وقت آپ نے اِمُّ الذَّاتِ کی توجہ فرمائی۔ بچی فوراً ہی خاموش ہو گئی اور رونا بند کیا۔ اُس چھوٹی سی بچی کا دل اسم ذات سے جاری ہو گیا اور اُس کے پور پور نے ذکر الہی کرنا شروع کیا۔ بچی پھر سو گئی۔ جب ماں نے کام ختم کیا تو اُس نے بچی کی دیکھ بھال کرنے پر حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ کا شکریہ ادا کیا۔ اس پر آپ نے فرمایا :

”مائی ہم نے صرف جھوٹے کو ہی نہیں ہلایا بلکہ تیری بچی کے دل کو بھی ایسی جنبش دے دی کہ قیامت تک اُس میں کھی نہیں آئے گی بلکہ زیادتی ہی ہوتی رہے گی۔“ بعد میں وقت نے آپ کے فرمائے ہوئے کی تصدیق کر لی۔ یہ بچی بڑی ہو کر حضرت فاطمہ رحمۃ اللہ علیہا کے نام سے مشہور ہو گئیں جن کا مزار آج دن تک اپنے فیض کے لئے مشہور ہے اور لاکھوں زائرین اُس کی زیارت کو جاتے ہیں۔

حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ کی ایک اور بھی کرامت ہے۔ ایک بار آپ اپنے خلیفہ، حضرت سلطان حامد کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ آپ رات کو ایک ٹیلے پر آرام کے لئے رُکے۔ کچھ دیر کے بعد حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ پریشان ہو کر اُٹھے اور ٹیلے سے دُور ہٹ کر فرمانے لگے کہ: ”حامد! اس ٹیلے سے ہٹ جاؤ، لگتا ہے کہ یہ کسی ظالم کا مکان ہے۔ پھر آپ ریتیلی زمین پر لیٹ گئے اور اپنا سر اپنے مُرید کی گود میں رکھ دیا۔ اُسی لمحے حضرت حامد نے سوچا: ”کاش کہ میرے پاس اتنا مال ہوتا کہ میں اپنے مرشد کے لیٹنے کیلئے اطلس اور کھنچو کا بستر بچھا سکتا، مگر کیا کیا جائے کہ میں غریب ہوں اور میرے مرشد ریت پر لیٹے ہیں۔“ جیسے ہی حضرت حامد نے یہ سوچا، تو حضرت سلطان باہو رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے مُرید سے فرمایا: ”اے حامد! اپنی آنکھیں بند کرو اور مجھے بتاؤ جو تمہیں نظر آئے۔“ مُرید نے اپنی آنکھیں بند کیں اور اُسے ایک نہایت خوبصورت محل نظر آیا جو زیورات اور جواہرات سے بھرپور تھا۔ اچانک اُس محل کا دروازہ کھلا اور ایک نہایت حسین خاتون اندر داخل ہوئی۔ اُس نے قیمتی جواہرات بھی پہنے رکھے تھے۔ وہ حضرت حامد کے پاس آئیں اور کہنے لگیں: ”اس دُنیا میں

بے شمار مرد میری طلب رکھتے ہیں، مگر میں تمہاری طلب رکھتی ہوں، اس لئے خود چل کر تمہارے پاس آئی ہوں، تم مجھ سے نکاح کر لو۔“ لیکن حضرت سلطان حامد نے کہا: ”دور ہو جا میری نظروں سے، چلی جا، چلی جا۔“ جب یہ گفتگو ہو رہی تھی، حضرت حامد کو اپنے مُرشد کی آواز آتی ہوئی سنائی دی جس سے اُن کی آنکھیں کھلی گئیں۔ پھر حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ نے اُن سے پوچھا کہ انہوں نے کیا دیکھا۔ انہوں نے ساری رُوداد سنا ڈالی۔ اس پر حضرت سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: کیا آپ کچھ دیر پہلے اپنی عزت کی شکایت نہیں کر رہے تھے؟“ انہوں نے جواب دیا: ”یاسیدی! آپ صحیح فرما رہے ہیں۔“ اس پر حضرت سلطان باہور نے فرمایا: ”یہ دنیا ہی تھی جو آپ نے دیکھی، تو پھر آپ نے اُسے قبول کیوں نہیں کیا؟“ مُرید نے جواب دیا: ”سیدی! مجھے اللہ کی ذات کا نور چاہیے تاکہ میری دُوح، دل اور دماغ اُس سے روشن ہو جائیں۔ مجھے کسی مال و زر کی ضرورت نہیں ہے۔“ سلطان باہور نے فرمایا: ”تو پھر حق تعالیٰ کی عطا پر مطمئن رہ۔ فقیر محمدی آپ کے خالوادے سے نہیں جائے گا۔“ مُرشد کا فرمانا، حضرت حامد اُن کے خاندان اور اُن کی نسل کے لئے دُرست ثابت ہوا۔

یہ سال ۱۶۲۹ء تھا کہ اللہ کے اس محبوب نورِ معرفت میں اپنی زندگی کی ۶۳ بہاریں دیکھنے کے بعد اس دنیا سے رخصت ہوئے۔ آپ کی تدفین دریائے چناب کے قریب قہرگان کے مقام پر ہوئی۔ کہتے ہیں کہ دریا میں ۲ بار سیلاب آیا اور یہ خدشہ تھا کہ مزار کو سیلاب سے نقصان پہنچے گا، تو اس لئے آپ کے جسدِ اقدس کو وہاں سے منتقل کیا گیا۔ جب یہ کیا گیا تو دنیا نے دیکھا کہ آپ کا کفن بھی نئے کفن کی طرح تازہ تھا حالانکہ اُس وقت ۱۵۷ سال گزر چکے تھے آپ کے وصال کو۔

اے اُمتِ محمدی! اللہ کے عاشق وہ روشن چراغ ہیں جو ابد تک جلمگاتے رہیں گے۔ سلطان باہور رحمۃ اللہ علیہ کا ”نور“ اب بھی اپنے عاشقوں پر ڈونشاں ہے کیونکہ روحانی دنیا میں محبت شرطِ اول ہے۔ اس محبت کو اپنے دل میں زیادہ سمو لیں اور ہم آواز ہو کر سلطان باہور کے سنگ ”ٹھو“ کہیں، اور پھر چکھ لیں لذتِ اسم ذات کی کہ وہ کس طرح آپ کے ہر رنگ میں سما جاتی ہے۔

کیا یہ یہی نہیں ہے جو ہر عاشق کی تمنا ہے اور جسے وہ زندگی بھر چکھتا ہے۔

پنجابی :-

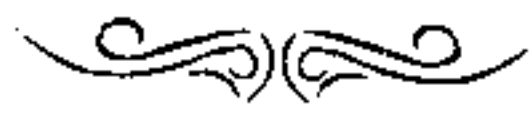
ے الف اندر ہوتے باہر ہوت باھو کتھ بھیندا ہو
پودا داغِ محبت والا دم دم نال سٹریندا ہو
جتھے ہو کرے روشنائی اوتھوں چھوڑ اندھیرا ویندا ہو
دوہیں جہاں غلام اس باہو جیہڑا ہو نوں صحیح کریندا ہو

ترجمہ :-

اللہ اندر، اللہ باہر، ڈھونڈتے ہو دلدار کہاں
دل میں الاؤ عشقِ خدا کا ہر دم شعلہ بارِ مہاں
نورِ خدا کی ظلمتِ باطل پر ہر دم یلغار رہے
صو جو سمجھ لے باھو، دو عالم کا سردار رہے

آمین !

ثم آمین۔



حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو جلالت والا ہے اور جس کی قدرت کی کوئی انتہا نہیں جو اپنے دوستوں کا دوست ہے اور اپنے عاشقوں کا عاشق ہے۔ یہ وہ ذات واحد ہے جو دلوں کی پاسداری کرنا جانتا ہے۔

دُرود و سلام صادق اور امین نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر جنہوں نے وہ الفاظ کہے ہیں جو اُن کے رب کی طرف سے فرمائے گئے تھے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اُن الفاظ میں صرف سچ تھا (اور سچ کے سوا کچھ نہ تھا)۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو صراط المستقیم پر تمام چلنے والوں پر اور منزل مقصود تک پہنچنے کے لئے مئی جانے والی اُن کی کوششوں پر۔

صالحین وہ بادبان ہیں جو اس دُنیا کی کشتیوں کو سیدھا

سنبھالے ہوئے ہیں ؛ وہ ان کشتیوں کی صحیح راہ پر رہنمائی
 کرتے ہیں ، اور بے شک وہ سچی رہنمائی کے روشن مینار ہیں۔
 اگر کوئی صالح ایک صادق بھی ہے تو مذکورہ خوبیاں مزید
 نکھرتی ہیں۔ اور اگر یہ صالح ، صدیق اکبر ہیں تو پھر کیا ان
 کی خوبیاں اور اوصاف کی تعریف کے لئے کافی الفاظ ہونگے؟
 یہ صدیق اپنے دوست کو عالم شباب سے جانتے تھے۔
 یہ دوست ایک دوسرے کے بہت ہی قریب رہتے تھے اور
 ایک دوسرے کے یہاں اکثر آتے جاتے تھے۔ اگرچہ صدیق
 ایک بہت ہی مالدار شخص تھے اور اپنے وقت کے دوسرے
 کئی معززین کو جانتے تھے ، مگر ان کے دوست کی وفا شعاری ،
 دیانتداری اور راستبازی نے دونوں کو ایک دوسرے کے بہت
 ہی قریب کر دیا تھا۔ لیکن ایک دن دوست نے ان کو واقعی
 حیران کر دیا۔ یہ دوپہر کا وقت تھا اور گرمی شدت کی تھی۔ صدیق
 نے اپنے دوست کو بڑے غور سے دیکھا ان کے وہ الفاظ سنکر
 جو ان کے کالوں کے لئے نامائوس تھے کہ ” وہ جس نے ہمیں
 پیدا کیا ہے ، جس نے یہ زمین پیدا کی ، سورج اور چاند کو پیدا
 کیا۔ وہ جو واحد اور اللہ ہے ، جو رب ہے اور جو ہم میں سے
 ہر ایک کا پالن ہار ہے ، اُس نے مجھے حکم دیا ہے کہ تم سب

لوگوں کو بتادوں کہ کوئی معبود نہیں سوائے اللہ کے اور محمد ﷺ
 اُس کے پیغمبر ہیں۔“ صدیق اپنے دوست کے چہرے کو دیکھ
 رہے تھے جو چاند کی طرح چمک رہا تھا، تقدس اور نور سے
 بھر پور۔ جو الفاظ وہ سُن رہے تھے اُن کے لئے نئے تھے۔
 وہ صدیق کے آباؤ اجداد کے دین کے خلاف تھے۔ لیکن وہ
 جانتے تھے کہ یہ باتیں سچی تھیں۔ جب انہوں نے اپنے دوست
 کے لبوں سے، ”لَا إِلَهَ إِلَّا اللَّهُ مُحَمَّدٌ رَّسُولُ اللَّهِ“ سنا
 تو اُن کے دل نے بھی اُن کے دوست کے اُن الفاظ کو دہرایا۔
 اور پھر یکایک یہ الفاظ اُن کی زبان سے بھی ادا ہوئے (اس
 بے ساختگی سے) جیسے یہ الفاظ ہمیشہ سے اظہار کے لئے موجود
 تھے اور وہ وقت اب آگیا تھا کہ وہ زبان سے ادا ہوں۔ دوست
 کی آنکھیں ستاروں کے مانند چمک اُٹھیں اور پھر وہ اشکوں
 سے بھیگ گئیں۔ اُن کے دوست نے، جنہیں وہ بے حد چاہتے
 تھے، اُن کے کہے ہوئے کو فوراً ہی قبول کیا۔ اس لئے کہ وہ
 ایک سچے دوست تھے، ایک صادق دوست، اور ایک عتیق
 دوست تھے اور پھر دنیا نے دیکھ لیا کہ حضرت ابو بکر صدیق رضی
 اور رسول پاک ﷺ کی دوستی سے بڑھ کر کوئی دوسری دوستی
 نہ تھی۔ اور حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ کو یہ شرف حاصل ہوا کہ وہ اسلام

ہیں داخل ہونے والے پہلے آدمی تھے۔ اور یہ شرف آپ رضی اللہ عنہ
کو رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاتھوں حاصل ہوا۔

اس دوستی کو کئی بار آزمایا گیا، مگر ہر بار یہ کامیاب و
کامران ثابت ہوئی۔ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ دین حق کا ہر
ایک دن مشکل تر ہو رہا تھا۔ اسلام کے دشمنوں کی آنکھیں غصے
سے بھری تھیں اور ان کی وہ زبانیں جو ہمیشہ رسول اللہ ص کو
صادق اور امین کہہ کر پکارتی تھیں، اب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں
سخت اور گستاخانہ باتیں کرنے لگیں تھیں۔ کئی بار دوست، دوست
کی مدد کے لئے دوڑتے ہوئے آئے۔

ایک مرتبہ کسی نے حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ عنہ کو اطلاع
دی کہ: ”اے ابو بکر رضی اللہ عنہ! مشرکین نے آپ کے ساتھی کو
پکڑ لیا ہے۔“ جب آپ نے یہ سنا تو فوراً ہی کھڑے ہو گئے
اور بیت اللہ شریف کی طرف دوڑنے لگے۔ آپ رضی اللہ عنہ نے
وہاں دیکھا کہ رسولِ پاک صلی اللہ علیہ وسلم زمین پر بیٹھے ہوئے تھے اور
وہاں دوسرے کئی لوگ جمع تھے جو (چلا کے) کہہ رہے تھے
کہ ”یہی ہیں وہ جنہوں نے ہمارے کئی خداؤں کو بدل کر صرف
ایک خدا (کا تصور) پیش کیا ہے۔“ یہ دیکھ کر حضرت ابو بکر
صدیق رضی اللہ عنہ نے اچانک اپنا پورا زور لگا کر ان دشمنوں کو اپنے

دوست سے پرے دھکیل دیا۔ اُس وقت انہیں اپنی جان کی بھی پرواہ نہ تھی اور وہاں سے ہر ایک کو پرے ہٹاتے ہوئے فرما رہے تھے: ”تمہارا ستیاناس ہو۔ کیا تم ایک ایسے شخص کو قتل کرنا چاہتے ہو جو کہتا ہے ”میرا رب اللہ ہے“ اور وہ تمہارے پاس تمہارے پروردگار کی طرف سے واضح دلائل بھی لے کر آیا ہے؟“

ایک مرتبہ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے فرمایا: ”خدا کی قسم، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا ایک لمحہ اُس اہل فرعون کے مومن کے ہزاروں لمحات سے بہتر ہے، (کیونکہ) اُس مومن نے اپنا ایمان پوشیدہ رکھا تھا جبکہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے ایمان کا کھلے عام اعلان کیا ہے۔“

کئی لوگوں کو نورِ حق حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی صداقت سے ملا۔ جب عتیق (یعنی حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا لقب) نے اسلام قبول کیا، اور قریش کے تمام سردار دارالندوہ میں جمع ہوئے اور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بارے میں باتیں کرنے لگے، تو انہوں نے ایک آدمی کو مقرر کیا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دوست کو بلا لائے تاکہ انہیں اپنے آباؤ اجداد کے قدیم دین پر دوبارہ لایا جائے۔ تو اس کے لئے انہوں نے

طلحہ بن عبید اللہ کو بھیجا جنہوں نے ایسا کرنے پر آمادگی ظاہر کی۔ وہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما کو تلاش کرنے نکلے اور انہیں چند لوگوں کے ساتھ بیٹھے دیکھا۔ انہیں دیکھ کر طلحہ نے زور سے پکارا: ”اے ابوبکر! میرے ساتھ آئیں!“ حضرت ابوبکر نے جواب دیا: ”آپ نے مجھے کس کی جانب پکارا؟“ طلحہ نے جواب دیا: ”میں آپ کو لات و عنزی کی جانب سے پکار رہا ہوں تاکہ آپ انہیں پوجیں“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے پوچھا: ”کون لات؟“ اس پر طلحہ بولے: ”اللہ کی بیٹیاں“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ”تو کیا مجھے بتا سکتے ہو کہ ان کی ماں کون ہے؟“ اس سوال پر طلحہ خاموش رہے۔ پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما نے اپنے دوستوں کی طرف دیکھا اور فرمایا: ”آپ لوگ اپنے دوست کی طرف سے جواب کیوں نہیں دیتے؟“ اس پر وہ سارے دوست بھی خاموش رہے۔ طلحہ اپنے دوستوں پر نظریں جمائے رہے، پھر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما سے کہنے لگے: ”اٹھیے، میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور محمد اللہ کے رسول ہیں!“ یہ سن کر حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہما اٹھے اور طلحہ کا ہاتھ پکڑ کر اپنے محبوب رسول کے پاس لے گئے۔

محبوب دوست نے اپنے بہترین دوست کو محبت کا

سبق اچھی طرح سیکھایا ہوا تھا۔ اس لئے ایک مرتبہ دونوں دوست ایک ایسی حالت میں ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا ابا اتنا پرانہ تھا کہ اُس کا ایک کونہ کھجور کی شاخوں اور دوسری شاخوں سے سلا ہوا تھا۔ اُسی وقت حضرت جبرائیل علیہ السلام آئے اور کہا: ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! کیا سبب ہے کہ میں اتنا پرانا ابا حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے زیب تن دیکھ رہا ہوں جو اس عجیب طریقہ سے سلا ہوا ہے؟“ اس پر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ”اے جبرائیل علیہ السلام! ابو بکر نے اپنا سارا مال مجھے دے دیا ہے فتح سے پہلے۔“ اس پر حضرت جبرائیل علیہ السلام نے فرمایا: ”اللہ تعالیٰ اپنا سلام آپ کے لئے بھیجتا ہے اور آپ سے فرماتا ہے کہ آپ ان کو (یعنی ابو بکر سے) کہیں کہ کیا یہ اس فقر کی حالت میں اپنے اللہ سے راضی ہیں؟“ (چنانچہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ سوال اپنے دوست سے دہرایا، جس کے جواب میں حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے فرمایا: ”کیا میں کبھی اپنے رب سے ناخوش رہ سکتا ہوں؟“ اور پھر انتہائی محبت سے کہا: ”میں اپنے رب سے راضی ہوں!“

ان دوستوں کے درمیان کئی بار گفتگو ہوتی تھی، کچھ خلوت میں اور کچھ جلوت میں، کچھ روایات ہوئی ہیں اور کچھ دلوں میں

محفوظ رہیں۔

یہ ایک خاص رات کا واقعہ تھا جب صحابہ کرام رسول ﷺ کے گرد بیٹھے ہوئے تھے بالکل اسی طرح جیسے چودھویں کے چاند کے اطراف ستارے۔ اُس وقت رسول اللہ ﷺ کے الفاظ کی میٹھاس شہد کے مانند تھی۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ”جنت میں ایک ایسے شخص داخل ہوں گے جن کو جنت کا ہر گھر والا اور بالا خانہ والا کہے گا ”خوش آمدید“ اور درخواست کریگا: ”ہمارے پاس آئے! ہمارے پاس آئے“ حضرت ابو بکرؓ نے شوق سے پوچھا: ”یا رسول اللہ! آج کل اُس آدمی کا سوال کیا ہے؟“ (معنی ایسا شخص بننے کے لئے کیا کرنا چاہیے؟) اس پر رسول ﷺ نے اپنے بہترین دوست کی جانب دیکھ کر فرمایا: ”اے ابو بکر! وہ شخص تم ہی ہو۔“

یہ بھی روایت ہے کہ جب رسول اللہ ﷺ جنتِ عدن میں داخل ہوئے تو آپ نے وہاں ایک سحر کو دیکھا جو چودھویں کے چاند کی طرح تھی؛ اُس کی پلکیں گدھ کے اگلے پروں کی طرح تھیں۔ (جب) رسول اللہ ﷺ نے اُس سے پوچھا: ”تم کس کے لئے ہو؟“ تو سحر نے جواب دیا: ”میں اُن خلیفہ کے لئے ہوں جو آپ کے بعد آئیں گے۔“

ایک اور موقع پر جب رسول اللہ ﷺ معراج شریف

کے واقعات بیان کر رہے تھے، تو آپ ﷺ نے فرمایا:

”حضرت جبرائیل علیہ السلام نے میرا ہاتھ پکڑا اور مجھے جنت کے اُس دروازے کی طرف لے گئے جہاں سے میری اُمت داخل ہوگی۔“

اس پر حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے بڑے شوق سے پوچھا:

”یا رسول اللہ ﷺ! یہ میری دلی خواہش ہے کہ اُس وقت میں

آپ کے ساتھ ہوں تاکہ میں بھی وہ منظر دیکھ سکوں۔“ یہ سُکر

رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”یاد رکھیں کہ میری اُمت کے

لوگوں میں سے اُس دروازے سے جنت میں داخل ہونے

والے پہلے شخص آپ ہوں گے۔“

رسول اللہ ﷺ کے یارِ غار کو یہ مرتبہ آخر کیسے ملا۔

یہ اس حدیث سے ظاہر ہے کہ ایک دن جب رسول اللہ ﷺ

صحابہ کرام میں جلوہ گرے تھے تو آپ نے کسی سے پوچھا کہ: ”آج

کس کا روزہ ہے؟“ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے عرض کیا: ”یا

رسول اللہ ﷺ! میرا روزہ ہے۔“ پھر حضور ﷺ نے دوبارہ

سوال کیا، ”آج کوئی کسی کے جنازے میں شامل ہوا ہے؟“

حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے جواب دیا: ”یا رسول اللہ ﷺ! میں

شریک ہونے گیا تھا۔“ پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ”کسی

نے آج کسی مسکین کو کھانا کھلایا ہے؟“ اس بار بھی حضرت
 ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ہی تھے جنہوں نے عرض کیا: ”یا رسول اللہ!
 ”میں نے کھلایا ہے۔“ یہ جواب سن کر اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے
 پھر پوچھا: ”اور آج کسی نے کسی بیمار کی عیادت کی ہے؟“
 اس بار بھی یہ خلیفہ اول ہی تھے جنہوں نے جواب دیا کہ: ”جی
 ہاں! میں نے عیادت کی ہے۔“ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:
 ”جس شخص میں یہ ساری خوبیاں ہیں وہ یقیناً جنت میں داخل
 ہوگا۔“

یہ اللہ سبحانہ تعالیٰ کی شان ہے کہ وہ اپنی نشانیاں اپنے
 ہی لوگوں کے ذریعے دکھاتا ہے وہ لوگ جنہیں وہ بہت زیادہ
 چاہتا ہے اور کیا کوئی اُس کے محبوب کے پیارے دوست
 سے بڑھ کر محبوب ہو سکتا ہے۔

ایک دن صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ اپنے ہمراہ تین مہمان لے
 کر اپنے گھر پہنچے۔ انہوں نے مہمانوں کو اپنے بیٹے کے حوالے
 کیا اور خود کا شانہ نبوت کی طرف گئے تاکہ اپنے محبوب
 دوست کے ساتھ کھانا تناول فرمائیں۔ کچھ دیر وہاں رکنے کے
 بعد جب آپ اپنے گھر پہنچے تو معلوم ہوا کہ مہمانوں نے
 آپ کے بغیر کھانا نہیں کھایا تھا۔ اس لئے آپ اپنے مہمانوں

کے ساتھ کھانے کے لئے بیٹھ گئے ، لیکن یہ بھی فرمایا : ”خدا کی قسم ! میں یہ کھانا نہیں کھاؤں گا ، لیکن تاہم اپنے مہمانوں کو ہدایت کی کہ وہ کھانا کھالیں۔“ کچھ دیر بعد مہمانوں میں سے ایک نے کہا : ”باخدا ! جو بھی نوالہ ہم اٹھاتے ہیں ، اُس کی جگہ پر اُس مقدار سے زیادہ آجاتا ہے۔ اب ہم سیر ہو گئے ہیں۔“ حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے دیکھا کہ کھانے کے بعد بچا ہوا کھانا پیش کئے جانے والے طعام سے زیادہ تھا آپؐ نے اپنی بیوی سے پوچھا : ”اے بنی فراس کی بہن ! یہ کیسے ہوا؟“۔ بیوی نے خوش ہو کر جواب دیا : ”جی ہاں ! لگتا ہے کھانا تین گنا بڑھ گیا ہے۔“ تو آپ رضی اللہ تعالیٰ عنہ وہ کھانا اٹھا کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے۔

جب ایسا موقع آتا ہے کہ آپؐ کو اپنے گھرانے اور حق کے درمیان چننا ہوتا ہے تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو اپنے انتخاب پر زور بھرنا نہ ہوتا۔ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے بیٹے عبدالرحمن جو اب تک مشرک تھے اور ایک قد آور اور طاقتور آدمی تھے ، میدان جنگ کے بیچ مرکز میں آئے اور چیخ کر بولے : ”کیا کوئی ہے جو میدان میں آنے کو تیار ہے؟“ اس للکار پر اُس کے والد فوراً ایک شیر کی طرح اٹھ کھڑے ہوئے

اور اپنے بیٹے کی جانب بڑھنے لگے ، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اُنہیں روکا اور فرمایا : ” تم مت جاؤ اے ابو بکر ! اپنی ذات سے ہم سب کو فائدہ پہنچاؤ ! “

اسی طرح حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ اور اُن کے بیٹے ، جو ابھی مسلمان نہیں ہوئے تھے ، جنگِ بدر میں بھی شریک تھے۔ والد مسلمانوں کی طرف سے اور بیٹے کفار کی طرف سے۔ جنگ کے بعد عبد الرحمن نے اسلام قبول کیا۔ ایک دن وہ اپنے والد کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ انہوں نے اپنے والد کو بتایا : ” جنگِ بدر کے دوران ، ایک موقع ایسا بھی آیا کہ آپ مجھے واضح طور پر دکھائی دے رہے تھے اور میں آپکو اپنے تیروں سے باآسانی نشانہ بنا سکتا تھا ، لیکن اس کے بجائے میں ایک طرف ہٹ گیا اور آپ کو نشانہ نہیں بنایا۔ “ یہ مُسکر حضرت ابو بکر رضی اللہ عنہ نے فرمایا : ” لیکن اگر تم میرے نشانے پر ہوتے تو تجھے نہ چھوڑتا اور ضرور قتل کرتا۔ “

اوصافِ صدیق اس قدر زیادہ ہیں کہ اگر آپ اُن کو سُننا شروع کریں گے تو آپکی شام، رات میں بدل جائے اور ہو سکتا ہے آپ کی رات ، صبح میں بدل جائے لیکن آپ کی خوبیوں کی داستان ختم نہ ہوگی۔

ایک مرتبہ حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ صحابہ کرام کے ساتھ بڑی
 شان سے بیٹھے ہوئے تھے اور ان سے گفتگو فرما رہے تھے کہ
 آپ نے اپنے غلام سے پانی لانے کو کہا۔ جب پانی کا پیالہ آیا
 تو حضرت ابو بکر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اُسے پینے کے لئے بوں تک اٹھایا
 لیکن اچانک رُک گئے کیونکہ آپ نے دیکھا کہ وہ پانی کے
 بجائے شہد ملے پانی سے بھرا ہوا تھا۔ پھر آپ نے غلام کی
 طرف دیکھا اور فرمایا: ”یہ کیا ہے؟“ غلام پریشان ہوا اور
 کہنے لگا: ”شہد، شہد ملا پانی“ یہ سن کر حضرت ابو بکر صدیق رضی
 نے اُس پانی میں نظر جما کر دیکھا تو تھوڑی ہی دیر میں اشکوں
 کا ایک سیلاب آپ کی آنکھوں سے جاری ہونا شروع ہو گیا۔
 روتے روتے آپ ہچکیاں باندھنے لگے اور پھر آپ کے رونے
 کی آواز بلند ہوئی اور شدید گریہ طاری ہو گیا۔ ارد گرد کے لوگ
 حیران ہو کر کہنے لگے: ”اے خلیفہ رسول! یہ آپ کو کیا ہو گیا
 ہے؟ آپ اتنا رو کیوں رہے ہیں، ہمارے ماں باپ آپ پر
 فدا ہوں، آپ اتنا رو کیوں رہے ہیں؟“ لیکن اس کے باوجود
 آپ کے آنسو نہیں رُک پارہے تھے۔ چنانچہ لوگ بھی آپ
 کے ساتھ رونے لگ گئے کافی دیر بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم
 کے بہترین دوست کے آنسو رُک گئے۔ آخر کار آپ دوبارہ

بولنے کے قابل ہوئے تو آپ نے ایک کپڑے سے اپنے آنسو
 پونچھے اور فرمایا: ” میں حضور ﷺ کے ساتھ اُنکے مرض الموت
 کے ایام میں تھا جب ایک دن میں نے دیکھا کہ آپ ﷺ
 اپنے ہاتھ سے کسی چیز کو اپنے آپ سے دُور کر رہے ہیں۔ لیکن
 میں اُس چیز کو دیکھ نہیں پا رہا تھا۔ پھر آپ کمزور تھکی ہوئی آواز
 میں فرما رہے تھے کہ: ” دُور ہو جاؤ مجھ سے، دُور ہو جاؤ مجھ
 سے۔“ میں نے پھر ادھر ادھر دیکھا اور مجھے کوئی نظر نہ آیا۔ پھر میں
 نے آپ ﷺ سے عرض کیا۔ ” یا رسول اللہ ﷺ! آپ کس
 کو دُور ہو جانے کو فرما رہے ہیں؟، یہاں تو کوئی نہیں ہے؟“
 رسول اللہ ﷺ نے میری جانب دیکھا اور فرمایا: ” یہ دراصل
 دنیا تھی جو اپنی تمام آسائش و نعمت کے ساتھ میرے سامنے
 آئی تھی۔ میں نے اُس سے کہا: ”دُور ہو جا، دُور ہو جا! پس
 وہ یہ کہتی ہوئی چلی گئی کہ: اگر آپ نے مجھ سے چھٹکارا پالیا تو
 کیا ہوا! جو لوگ آپ ﷺ کے بعد آئیں گے وہ مجھ سے
 کبھی نہیں بچ سکیں گے۔“ یہ سب کچھ کہنے کے بعد حضرت ابو بکرؓ
 نے اپنا سر اٹھایا اور افسردہ لہجے میں فرمایا: ” لوگو! مجھے اس
 شہدے پانی کی وجہ سے ڈر لاحق ہوا کہ کہیں اس دُنیا نے مجھے
 نہ آگھیرا ہو، اس لئے میں سسکیاں بھر کے رو دیا۔“

اے اُمتِ محمدی ! اپنی زندگیوں پر نظر ڈالیں اور پھر اللہ کے عاشقوں سے سبق سیکھیں۔ یہ مثالیں نہایت قیمتی ہیں اور آنے والا وقت آپ کے لئے بہت سخت ہے۔ یہ وقت جو آج آپ کو میسر ہے، ہو سکتا ہے کہ کل یہاں آپ کے لئے نہ ہو۔ تو اس لئے ان سونے کے دل رکھنے والوں سے سیکھیں اور ان سے محبت کریں۔ انشاء اللہ آپ بھی ان کے ”نور“ کے فیض کا ایک حصہ پائیں گے۔

دُرود و سلام رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر، سلام آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کرام رضی اللہ عنہم پر، سلام ابو بکر صدیق اکبر رضی اللہ تعالیٰ عنہ پر۔

آمین!

ثم آمین۔



حضرتِ العالمِ الرحمنِ قدوسی رحمۃ اللہ علیہ

نسبت کی اہمیت:

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس کی حمد تمام پرندوں کا گیت ہے، جس کے اسماءِ حسنیٰ تمام ملائک کا ذکر ہیں اور جس کی محبت اُن ساری چیزوں پر محیط ہے جن کی نسبت حق سے ہے۔

دُرود و سلام ہوں اُن پر جو اللہ کی رحمت ہیں تمام عالمین کے لئے، اُن ذاتِ گرامی پر جو ہر وقت اپنی اُمت کے لئے دست بہ دعا ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب پر اور آپ کے پیاروں پر۔ سلامتی ہو اُن پاکیزہ دلوں پر جن میں متواتر ذکرِ اللہ جاری ہے۔

نسبت کے معنی ایک تعلق، ایک وابستگی، ایک احساسِ اپنائیت ہے۔ کچھ لوگ کہتے ہیں کہ انسان اس دُنیا میں اکیلا داخل ہوتا ہے اور وہ اس سے اکیلے ہی چلا جاتا ہے، تو اس

طرح کیا ہم یہ نہیں کہہ سکتے کہ ایک انسان آسانی سے اکیلا رہ سکتا ہے بغیر کسی سے ناٹھ جوڑے؟ دراصل ایسے لوگوں کا یہ کہنا درست نہیں ہے۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ انسان اکیلے پیدا نہیں ہوتا۔ ہر بچے کی اپنے والدین اور اجداد کے ساتھ نسبت ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ جب وہ اس دنیا سے رخصت ہوتا ہے تو وہ اپنے پیچھے اپنا نام، اپنا تعلق، یعنی اپنی نسبت چھوڑ کر اس دنیا سے جاتا ہے تاکہ لوگ اُسے اُس کے گھرانے اور پیاروں کے ذریعے یاد رکھیں۔

تو اس طرح ایک انسان کی کئی نسبتیں ہو سکتی ہیں لیکن بہترین نسبت اُس کی دینی نسبت ہے، یعنی اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے اُس کی نسبت ہے۔ اور اُن کے بعد اگر کوئی بہترین نسبت ہے تو وہ آپ کے مُرشد سے نسبت ہے۔ مُرشد دونوں عالموں کے درمیان کا رابطہ ہیں۔ یہ ایک ایسے استاد ہیں جو خوب پڑھے لکھے اور نہایت تربیت یافتہ ہیں، اس لئے وہ آپ کو صراطِ مستقیم پر چلنے کی رہنمائی کر سکتے ہیں۔ اُن کا علم کتابوں تک محدود نہیں اور نہ ہی اُن کی زبان سے ادا ہونے والے الفاظ عام لوگوں کے الفاظ ہیں۔ وہ علم و حکمت سے پُر الفاظ ہیں جو سینہ بہ سینہ منتقل ہوتے ہیں۔ اُن کی آنکھیں

زمین اور آسمانوں کے حجابات سے آگے تک دیکھ سکتی ہیں۔ اُن روشن آنکھوں کے آگے ۱۸,۰۰۰ (اٹھارہ ہزار) عالمین دکھائی دیتے ہیں اور وہ اُس رُوحانی دنیا کے واقعات اتنی آسانی سے دیکھ سکتی ہیں جس طرح وہ اس مادی دنیا کی فانی حقیقتوں کو دیکھتی ہیں۔ یہ ایک کامل مرشد کے کمالات ہیں۔ اور یاد رکھیں کہ ایسے شخص کے پانے والے پر اللہ کی رحمت ہوتی ہے۔

نسبت ایک قیمتی خزانے کی طرح ہے، اس کو اس مثال سے سمجھا جاسکتا ہے: کہتے ہیں کہ شیخ الاسلام حضرت معین الدین چشتی سنجری رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا کہ: ”ایک مرتبہ خواجہ عثمان ہارونیؒ کے ایک مُرید میرے پڑوس میں رہتے تھے۔ جب اُن کا انتقال ہوا تو میں اُن کی تدفین کے لئے گیا۔ اُن کی تدفین کے بعد لوگ واپس چلے گئے لیکن میں اُن کی قبر کے قریب بیٹھا رہا اور کلمۃِ الہی کی تلاوت کرتا رہا۔ پھر میں نے دیکھا کہ عذاب کے فرشتے آسمان سے اُترنے لگے ہیں جن کے چہرے نہایت خوفناک اور بھیانک تھے۔ اُسی وقت حضرت عثمان ہارونیؒ بھی تشریف لائے اور اُن فرشتوں سے فرمانے لگے کہ: ”اسے عذاب نہ دیں کیونکہ یہ میرا مرید ہے۔“ فرشتوں سے اللہ تعالیٰ کا بھی جواب ملا کہ: ”یہ آپ کا سچا مرید تو نہ تھا، حقیقت میں یہ

تو آپ کا بالکل مخالف تھا۔ اس پر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے عرض کیا: ”جی ہاں! اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ میرا مخالف تھا، لیکن یہ پھر بھی حقیقت ہے کہ اس نے میرے ہاتھ تھامے ہوئے تھے اور میرے سلسلہ سے وابستہ تھا۔“ اس پر ندائے غیبی آئی کہ: ”اے فرشتو! خواجہ عثمان کے مُرید سے ہاتھ اٹھا لو۔ ہم نے اُسے خواجہ کی خاطر بخش دیا۔“

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ اپنے مُریدین کو یہ تسلیم دیتے تھے کہ انہوں نے یہ بات اپنے مُرشد حضرت عثمان ہارونیؒ سے سُنی ہے کہ: ”جو بھی صدقِ دل سے اپنے مُرشد کی خدمت ایک دن کے لئے بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اُسے جنت میں ۱۰۰۰ (ایک ہزار) محلات سے نوازے گا جو موتیوں کے بنے ہوں گے اور وہ اُس میں اللہ کی رحمت سے داخل ہوگا اور وہ بغیر حساب کے اُس میں داخل ہوگا، اور وہاں ۱۰۰۰ (ایک ہزار) حوریں اُس کی خدمت کھیلنے موجود ہوں گی۔ (اُس کے علاوہ) اُس کے نامہ اعمال میں ۱۰۰۰ (ایک ہزار) سال کی عبادات بھی شامل کی جائیں گی۔“ پھر خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ نے مزید فرمایا کہ: ”اپنے مُرشد کے ارشادات کو غور سے سُنیں اور اُن پر عمل کریں۔ جو نمازیں، روزے اور وظائف آپ کو اُن کی طرف سے دیئے

جائیں، اُن کو پابندیء وقت کے ساتھ کریں اور اپنے مُرشد کی حضوری میں رہیں اور غیر حاضر نہ رہیں۔ پھر آپ نے فرمایا: "ایک زاہد ۱۰۰ (سو) سال تک عبادتِ الہی میں رہا۔ وہ صبح روزہ لکھتا اور رات کو قیام کرتا اور اپنا وقت ذکرِ الہی اور تعلیم و نصیحت میں گزارتا۔ جب اُس کا انتقال ہوا تو کسی نے خواب میں اُسے جنت میں پایا اور اُس سے حال پوچھا۔ زاہد نے جواب دیا: "جنت میں داخلے کی وجہ میری رات دن کی عبادات نہیں تھیں، بلکہ میری نسبت اور میرے مُرشد کی خدمت مجھے جنت میں لے گئی ہے۔ اسی کے باعث مجھے جنت میں داخل ہونے کی اجازت ملی ہے۔

حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ ایک مرتبہ اپنی مجلس میں یہ فرماتے ہوئے اشک بار ہو گئے کہ: "یوم حساب پر صادقین۔ اولیاء اور مرشدین اس طرح آئیں گے کہ اُن کے کاندھوں پر گڈڑیاں ہوں گی اور ہر ایک ایک گڈڑی کے لاکھوں دھاگے ہوں گے اور اُن کے مُریدین اور فرزند ہر دھاگا تھامے ہوئے لٹک رہے ہوں گے۔ جب خلقِ خدا، اللہ کے محاسبہ سے بچ جائے گی تب اللہ انہیں پُلِ صراط تک پہنچنے کی قوت عطا کرے گا۔ گڈڑی کے وسیلے سے یہ مُرید اور فرزند آسانی سے اِس تیس ہزار (۳۰۰۰) برس کی طویل راہ اور قیامت کے عذاب

سے پار ہو جائیں گے ، اور مجال نہیں کہ اُن کو سختی لاحق ہو۔
 تو یہ ہے نسبت کی قدر و قیمت۔ کون آخر کبھی یہ کہہ
 سکتا ہے کہ ”مجھے تو اللہ نے پہلے سے ہی معاف کیا ہوا ہے۔
 مجھے کسی وسیلے کی ضرورت نہیں ، مجھے کسی مدد کی ضرورت نہیں۔
 میں اپنا بوجھ خود اٹھا سکتا ہوں۔ میں اپنا راستہ خود عبور کر سکتا
 ہوں۔“ صرف وہ جن کو سفرِ آخر کی سختیوں کا احساس نہیں
 ہے اور یومِ حساب سے واقف نہیں ، وہ ہی ایسے کہہ سکتے
 ہیں۔ لیکن جن کو حقیقت کا علم ہے یہ بھی جانتے ہیں کہ
 چاہے کچھ بھی ہو جائے ، انہیں اس بات کا یقین نہیں کہ اُن
 کا انجام کیا ہوگا۔

یہ تو حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ تھے کہ جب نماز کے
 عالم میں ہوتے ، تو خوفِ الہی سے ایک ستون کی طرح ساکت
 رہتے تھے۔ کہتے ہیں کہ فرمایا حضرت امام حسن رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے کہ : ”حضرت
 صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کہا کرتے تھے کہ : ”بخدا میں اس بات کو پسند
 کرتا کہ درخت ہونا جسے جانور کھا لیتے یا لوگ اُسے کاٹ ڈالتے۔“
 بالکل اسی طرح حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کے چہرے پر رونے کے
 باعث دو شکم پیدا ہو چکے تھے۔ حضرت عبد اللہ بن عامر بن زینب
 نے فرمایا کہ : ”میں نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو زمین سے ایک تنکا

اُٹھاتے اور یہ کہتے سنا کہ : ”کاش میں کچھ بھی نہ ہوتا، کاش
کہ میری ماں مجھے نہ جنتی یہ“

حضرت ابو بکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ ، اور حضرت عمر فاروق رضی اللہ تعالیٰ عنہ

وہ خوش نصیب تھے جن کو انکی زندگی میں ہی جنت کی بشارت
دی گئی تھی۔ اُس کے باوجود اُن کے خوف اور عجز کی کوئی انتہا
نہ تھی۔ زندگی بھر وہ اپنے انجام بہ خیر کے بارے میں فکر مند
رہے تھے۔ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے ، لیکن پھر بھی
اُنہوں نے دُنیا کے لغویات میں ایک لمحہ بھی ضائع نہیں کیا۔

لیکن کیا آپ خود اپنی زندگیوں پر نظر ڈال سکتے ہیں ؟
آپ میں سے کتنے اپنے ”کل“ کے لئے فکر مند ہیں ؟ آپ
میں سے کتنوں کے پاس یہ ضمانت ہے کہ آپ کا یوم حساب
خوف و انتشار سے خالی ہوگا ؟ لیکن اس کے باوجود اگر آپ
سمجھتے ہیں کہ آپ کو کسی نسبت کی ضرورت نہیں ہے ، یا اپنے
رسول پاک صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے کسی وسیلے کی ضرورت نہیں
ہے ، تو بے شک یہ آپ کی اپنی حماقت ہے۔ یہ ہی وجہ ہے
کہ راہِ طریقت میں مُرشدین ہیں۔ وہ نہ صرف آپ کے اُستاد
ہیں ، آپ کے رہنما ہیں ، بلکہ اُن کی دُعائیں اور عبادتیں بندگیوں
تک جاتی ہیں۔ اُن کو اپنے نبی پاک صلی اللہ علیہ وسلم کے غلام ہونے کا

اعزاز حاصل ہے ، اور اس میں کوئی شک نہیں کہ ایک کامل مرشد کو دربارِ نبوی تک رسائی حاصل ہے ۔ لڑھی ، یعنی شجرہ شریف کے اولیاءِ کرام فوری طور متوجہ ہوتی ہے جب مرشد (کسی کے لئے) دُعا فرماتے ہیں ۔ پھر وہ دُعا ایک دلی سے دوسرے دلی تک جاتی ہے ، یہاں تک کہ دربارِ غوث الاعظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ تک جا پہنچتی ہے ۔ پھر حضرت غوث الاعظم سے اس دُعا کو دربارِ مولیٰ علیؑ میں پیش کرتے ہیں جہاں سے وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دربارِ اعلیٰ تک پہنچ جاتی ہے ۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اُس دُعا کو اپنے اَشکوں اور عاجزیوں کے ساتھ دربارِ الہی میں پیش فرماتے ہیں ۔

اب کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ کون اس حُسنِ مراتب کو نظر انداز کر سکتا ہے اور بارگاہِ الہی تک پہنچنے کی کوشش از خود کر سکتا ہے ؟ ظاہر ہے وہ جو سمجھتے ہیں کہ وہ عرشِ عظیم تک خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتفاق کے بغیر پہنچ سکتے ہیں ۔ ایسے لوگ دراصل احمقوں کی جنت میں رہتے ہیں ۔

کسی مرشد کے ہاتھ تھا منا بہت ضروری ہے ، یعنی مرشدِ کامل کے ہاتھ ۔ اور پھر اولیاءِ کرام کے لئے اعلیٰ احترام رکھنا خاص طور سے وہ جن کا تعلق آپ کے شجرہ سے ہے ۔ اولیاءِ اللہ

اُن لوگوں کو خوب اچھی طرح جانتے ہیں جو انہیں اپنی محبت کے نذرانے پیش کرتے ہیں اور اُن پر رحمتیں بھیجتے ہیں۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ وہ ہمیشہ پوری اُمت کے لئے دُعا گو ہیں، اور خاص طور سے اُن لوگوں کے لئے جنہوں نے اس دُنیا میں انہیں فراموش نہیں کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آج ہمس ایک ایسے ولی کو یاد کریں جنہوں نے اپنی قوت، اپنا زور اور ایثار کل کے سرسبز پودے کی آبیاری اور پرورش پر صرف کیا جو آج سلسلہ کا ایک تناور درخت بن چکا ہے، یعنی سلسلہ قادریہ، چشتیہ، صابریہ، عارفیہ، نظامیہ، نوریہ جس کے سائے میں آپ سب بیٹھے ہیں۔

خواجہ خواجگان، قطب عالم، حضرت شیخ العام الرحمن قدوسی قادری، چشتی، صابری، نظامی، جن کو سہروردی اور نقشبندی سلسلوں کی بھی نعمتیں حاصل تھیں، اُن کو بڑا اعلیٰ مرتبہ حاصل تھا۔ آپ ایک صاحبِ امر فقیر تھے، جس کا مطلب ہے کہ آپ فقیری کے عالم میں ہوتے ہوئے بھی حکم صادر فرماتے تھے۔ آپ جو نہی حکم جاری کرتے وہ ایسا ہی ہوتا تھا جس طرح وہ چاہتے تھے۔ وہ درویش جو اللہ کی رحمتوں کے سائے میں رہتے ہیں وہ ہمیشہ یہاں مخلوقِ خدا کی بھلائی

کیلئے موجود ہیں۔ انکے منہ سے نکلنے والے الفاظ مخلوق کیلئے حکم کا
 درجہ رکھتے ہیں اور اللہ اُن الفاظ کو کبھی نظر انداز نہیں کرتا۔
 ابھی جو کچھ کہا گیا اُس کی صاف تصدیق حضرت شاہ
 انعام الرحمن قدوسی رحمۃ اللہ علیہ کے ایک واقعے سے ہوتی ہے۔ حضرت
 شاہ انعام الرحمن رحمۃ اللہ علیہ کے ایک کزن تھے جو اس دلی کے
 پاس پلے بڑھے تھے، لیکن جو آپ رحمۃ اللہ علیہ کو ایک درویش تسلیم
 نہیں کرتے تھے۔ ایک مرتبہ وہ آپ کے پاس مایوسی کے عالم
 میں آئے کیونکہ وہ کسی لڑکی سے شادی کرنا چاہتے تھے لیکن اُس
 کے والدین اور خاندان والے راضی نہیں ہو رہے تھے۔ لگتا
 تھا کہ لڑکی کو بھی کوئی اعتراض نہیں تھا، لیکن پھر بھی کامیابی
 نہیں ہو پا رہی تھی۔ مایوس ہو کر کزن نے حضرت انعام الرحمن
 سے مدد کی درخواست کی۔ آپ نے چند لمحے اپنی آنکھیں بند
 کیں اور فرمایا: ”جاؤ اور اپنی شادی کی تیاری کر دو۔ کل تمہارا
 نکاح ہے۔“ کزن یہ سن کر حیران ہوئے، کیونکہ وہ جانتے تھے کہ
 لڑکی کے والدین انہیں مسترد کر چکے تھے اور وہ کسی حال میں
 بھی راضی نہیں ہوں گے۔ مگر انہوں نے اپنے دل میں سوچا کہ:
 ”بھائی ہے، مجھ سے دھوکہ نہیں کرے گا۔ اگر دنیا اُسے کہتی
 ہے کہ بزرگ ہے، تو چلو، ہم اُسے آزما لیتے ہیں“ اور پھر

کزن نے اپنی آنکھوں سے ایک عجیب چیز دیکھی۔ شام کے وقت لڑکی والوں کے خاندان کی طرف سے ایک عورت پیغام لائی کہ: "لڑکی کے گھرانے نے شادی کی تجویز پر پورا دن غور کیا ہے اور پھر کہا کہ، "ہم نے باقی تمام رشتوں کو رد کیا ہے۔ قدوسی ہمارا اپنا لڑکا ہے اس لئے ہم اُس کا رشتہ قبول کرتے ہیں۔ جا کر قدوسی کو بتائیں کہ کل آکر ایک سادہ (نکاح کی) تقریب میں شامل ہو جائیں۔" تو اس طرح دوسرے دن نکاح منعقد ہو گیا، جس طرح حضور شاہ النعمان الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے پیش گوئی کی تھی۔

اس دلی کی بہت سی کرامتیں ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ کس طرح اُن کے رب نے اُن کے الفاظ کو کبھی نہیں لوٹایا ہے۔ ایک مرتبہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی ملاقات ایک تھوک فروش سے ہوئی جو کافی پریشان لگتا تھا۔ جب اُس کی پریشانی کی وجہ پوچھی، تو اس نے کہا: "میرا چالان ہوا ہے، لیکن مشکل یہ ہے کہ یہاں کا مجسٹریٹ ایک ہندو ہے اور وہ کسی مسلمان کو سزا دینے بغیر نہیں بخشتا۔ وہ کہتا ہے کہ "میں مسلمانوں کو کیسے چھوڑ سکتا ہوں جبکہ اُن کو سزا دینا میرا دھرم ہے۔" تھوک فروش نے مزید عرض کیا: "اگر جرمانہ ہوا تو

کوئی حرج نہیں، لیکن اگر اُس نے مجھے جیل بھیج دیا تو کیا ہوگا، کیونکہ آج تک اُس نے کسی مسلمان کو بغیر سزا کے نہیں پھوڑا ہے۔“ حضرت انعام الرحمن رحمۃ اللہ علیہ نے جب یہ سنا تو آپ نے تھوک فروش کو ایک کاغذ لانے کو کہا اور پھر اُس کاغذ پر کچھ لکھنے لگے۔ پھر اُس کو تعویذ کی طرح لپیٹا اور اُس کو دیتے ہوئے فرمایا: ”میاں! تمہیں کچھ نہیں ہونے جا رہا ہے۔ جب تم بڑی ہو جاؤ تو پھر اس تعویذ کو کھولنا۔“ تھوک فروش نے کہا: ”اچھا۔“ لیکن اُس کے دل میں اس تمام صورتِ حال کے بارے میں وسوسہ تھا۔ ہوا یہ کہ پیشی کے دن مجسٹریٹ نے اپنا فیصلہ سنا دیا جس کے مطابق تھوک فروش بڑی ہو گیا۔ جب وہ گھر پہنچا اور اُس نے تعویذ کو کھولا، تو اُس کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب اُس نے دیکھا کہ اُس میں پورا فیصلہ لکھا ہوا تھا۔ تعویذ میں حرف بہ حرف وہی فیصلہ تحریر تھا۔

”یہ شان ہوتی ہے اُن فقراء کی جن کو اللہ تعالیٰ اُمّ کر دیتے ہیں۔ واقعی نسبت بڑی پھیر ہے۔“

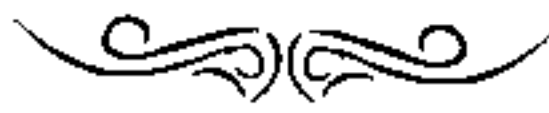
اے اُمّتِ محمدی! یہ وہ خوبصورت بزرگ تھے جن سے آپ سب کی نسبت ہے جو آپ کو رہنمائی دے رہے ہیں

اور جو اپنی نگرانی میں نو نہال پودوں کی آب یاری کر رہے ہیں اپنے مرشد کے ہاتھ تھامیے، اور انہیں مضبوطی سے تھامے رکھیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ آپ کے مرشد زنجیر کی پہلی لڑھی ہیں جس کو تھامنے کے بعد ہی آپ اوپر چڑھ سکتے ہیں۔ اگر یہ صحیح ترتیب سے کیا گیا تو پھر آپ کو یقینی طور سے اللہ کے تمام بے بہا جواہر سے جوڑا جائے گا۔

اللہ کی رحمتوں کی بارش ہمارے مرشدین پر برستی رہے، ہر آن، ابد تک، اور اُس کے بعد تک بھی۔ اُن کے درجات دن دُگنے اور رات چوگنے بڑھا دے، اُن کی ساری دُعائیں قبول کر دے اور ہمیں اپنے مرشد کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے جھنڈے تلے کر دے۔

آمین!

تم آمین



حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو حق کا "نور" ہے۔
اور بے شک یہ نور پوری کائنات پر محیط ہے اور جو اپنے عاشقوں
کی محبت ہے۔

درود و سلام اُس معصوم دل پر جو محبت کی تال پر دھڑکتا
ہے اور بے شک ہر ایک دھڑکن پر یہ اس محبت کو کائنات میں
پھیلاتا ہے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب کے لئے اور آپکے
پیاروں کیلئے ہوں۔ سلامتی ہو تمام سالکین راہ مستقیم کے لئے اور
بیشک وہ اس دنیا کی بہترین راہ پر ہیں۔

بھلا حق کو کوئی کیسے چھپا سکتا ہے؟ حق ایک ایسی قوت
ہے جو کسی بھی ہتھیار سے زیادہ طاقتور ہے؛ یہ زیادہ حقیقی ہے
اور اس کی حقیقت کبھی تبدیل نہیں ہو سکتی۔ یہی وجہ ہے کہ حق
کی ہمیشہ جیت ہوتی ہے؛ چاہے کوئی اسے جتنا بھی چھپانے کی

کوشش کرے، یہ خود کو ظاہر کرتا ہے۔ حق کبھی مَرتا نہیں، اور حق کے سچے دل سے ماننے والے بھی ایک ایسی زندگی جیتتے ہیں جس کی کوئی موت نہیں۔ حتیٰ کہ جب وہ اس دنیا سے بھی پردہ فرماتے ہیں، تو تب بھی انہیں حق کے پرچم کو بلند رکھنے کی کوششوں کے باعث ہمیشہ یاد رکھا جاتا ہے۔ سچائی حق ہے۔ یہ "نور" ہے۔ اور کون "نور" کی روشنی کو کبھی چھپا سکتا ہے؟ چاہے آپ اس روشنی کو جتنا بھی جھٹلائیں، یہ پھر بھی دنیا پر خود کو ظاہر کرتی ہے۔ اولیاءِ کرام زندگی بھر اس روشنی کو پھیلاتے رہتے ہیں اور خود دُنیا سے رخصت ہونے کے بعد بھی اس "نور" کا حصہ بن جاتے ہیں۔ اور جو بھی اُن کا ذکر کرتے ہیں، یا اُن سے سچے دل سے محبت کرتے ہیں، وہ بھی اس "نور" کا حصہ بن جاتے ہیں۔ یہی سبب ہے کہ دلوں کی کثافت صاف ہو جاتی ہے اور حق کو زیادہ جلا ملتی ہے جب کوئی ایسی محفل میں بیٹھتا ہے جس میں اولیاءِ کرام کا تذکرہ ہوتا ہے۔

اور جب ہم تذکرہ چشت کرتے ہیں تو یہ کیسے ممکن ہے کہ وہ خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے نور افشاں نام کے بغیر ہو جو سلطان الہند، حضرت مُعین الدین چشتی اجمیری، تاجدارِ ہند ہیں اور جو دلوں کے حکمران ہیں؟ آپکے سَرِ مبارک پر ہندوستان

کاتاج اس لئے سجایا گیا تھا کیونکہ آپ ﷺ نے اپنے دل کو اپنے محبوب کے قدموں میں رکھ دیا تھا۔ آپ کو اس دنیا کی حکمرانی سونپی گئی تھی کیونکہ آپ نے ایسی ذاتِ واحد کی غلامی قبول کی تھی جو نہیں مڑتا۔ آپ کو غریب نواز کا دائمی نام دیا گیا تھا کیونکہ یہ نام بے شمار شکستہ اور زخمی دلوں کے لئے اُمید کا باعث بننے جا رہا تھا۔

خواجہ غریب نواز، پشت کی وہ روشنی ہیں جو ہندوستان میں رسول اللہ ﷺ کے حکم سے داخل ہوئی۔ کہتے ہیں کہ ایک رات خواجہ غریب نواز کو خواب میں رسول اللہ ﷺ کی زیارت ہوئی جس میں حضورؐ نے آپؐ سے فرمایا کہ ہندوستان چلے جائیں کیونکہ وہاں اللہ کے محبوب خواجہ صاحب کی بے حد ضرورت ہے۔ یہ اعزاز البتہ بے سبب نہیں تھا۔

خواجہ غریب نواز رحمہ اللہ، حضرت عثمان ہارونی رحمہ اللہ کے سب سے زیادہ پیارے مُرید تھے اور آپؐ برسوں اُن کی خدمت میں رہے تھے۔ یہ مُرشد کی نوری توجہ تھی جس نے اس چشتی پیرے کی تراش خراش کی تھی جو پہلے ہی سے حضرت ابراہیم قندوزیؒ کی نگاہ کے شکار رہ چکے تھے۔ یہ نوجوان سید زادہ، جن کا نسب بارہویں پشت میں حضرت علی کرم اللہ وجہہ سے جا ملتا ہے،

۱۴ رجب ۵۳۶ھ ہجری کو ایک امیر تاجر خواجہ غیاث الدین حسن کے گھر میں پیدا ہوئے، جو سیستان میں رہتے تھے۔

تاتاریوں کی سفاکی کے باعث سید غیاث الدین خراسان ہجرت کر گئے، لیکن وہاں بھی مسلمانوں کا خون بہایا جا رہا تھا۔ حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ نے ایسے سخت حالات میں دنیا میں آنکھیں کھولیں۔ مگر ان مشکلات میں اُس وقت کئی گنا اضافہ ہوا جب آپ کے مہربان ولی باپ کا انتقال ہوا اور اپنے ۱۵ سالہ بیٹے اور گھرانے کو اس ظالم زمانے کے نشیب و فراز میں نہتا چھوڑ گئے۔ یہ نوجوان لڑکا اپنا زیادہ تر وقت اس باغ اور چکی پر صرف کرنے لگا جو انہوں نے اپنے والد سے وارثت میں حاصل کی تھیں۔ لیکن مقدر نے تو ان کیلئے دوسرے منصوبے تیار کر رکھے تھے۔ یہ کیسے ہو سکتا تھا کہ ایک ایسا شخص جو اللہ کے رسول ﷺ کے پیش نظر ہو وہ دنیاوی امور میں الجھا رہتا۔ اس لئے اللہ نے حضرت ابراہیم رحمۃ اللہ علیہ کو اُن کے پاس اُس وقت بھیجا جب نوجوان معین الدین درختوں کو پانی دے رہے تھے۔ جیسے ہی نوجوان لڑکے کی نگاہ اُن بزرگ پر پڑی تو انہوں نے اُن کو بڑا احترام دیا اور اُن کی خدمت میں انگوروں سے بھرے دو طشت پیش کئے۔ بزرگ نے ان کو نگاہِ لطافت سے دیکھا اور فرمایا: ”معین الدین!

بیٹھ جائیے۔“ حضرت خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ دوزالوں بیٹھ گئے پھر بزرگ نے فرمانا شروع کیا: ”آپ کی نوازش کا شکریہ۔ لیکن یہ سرسبز درخت، یہ مزیدار پھل، یہ جائیداد، یہ سب فنا ہو جائیں گے۔ آج یہاں بہار کا موسم ہے لیکن کل یہاں خزاں ہوگا۔ یہی گردشِ روز و شب ہے اور یہی نظامِ کائنات ہے۔ یہ چمن ختم ہو جائے گا، لیکن اللہ آپ کو دوسرا باغ عطا کرے گا جن کے درختوں کو اللہ قیامت تک گرم ہوا سے بچائے گا اور جو بھی اس کے میوہ جات کو چھکے گا، وہ پھر کبھی کسی دنیوی نعمت کے قریب نہیں جائیگا۔ اس کے بعد حضرت ابراہیمؑ نے اپنی گڈڑی سے سوکھی روٹی کا ایک ٹکڑا نکالا اور اُسے نوجوان معین الدین کے منہ میں رکھ دیا۔ یہ خواجہ صاحب کی زندگی کے ابتدائی ایام تھے اور اُس مبارک ہستی کی تجلی اس قدر شدید تھی کہ باغ اور چکی کو فوری طور پر بیچ ڈالا اور خواجہ صاحب نے مشرق کی طرف رخ کیا اُس نور کے زیرِ سائے میں جو اولیائے کرام کا حصہ (مقدر) ہے۔ یہ نیشاپور کے حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ تھے جنہوں نے خواجہ صاحب کے دل کو اُس درجہ تک کھینچ لیا جہاں اُن کی محبت کی زنجیروں نے اُن کو اُن کے مُرشد کا بے مول غلام بنا لیا۔ یہ مکہ مکرمہ تھا جہاں طوافِ کعبہ کے دوران حضرت عثمان ہارونی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنے محبوب

مرید کو پیش کرتے ہوئے عرض کیا کہ: ”الہی! معین الدین حاضر ہے۔ اپنے اس عاجز بندے کو شرفِ قبولیت عطا فرما“ پھر جواب آیا کہ: ”ہم نے اسے قبول کیا بے شک یہ معین الدین ہے“ اس قبولیت کے بعد یہ دونوں اولیاءِ کرام مدینہ شریف تشریف لے گئے اور اس مرتبہ روضہ مبارک کے سامنے مرشد نے ایک بار پھر اپنے پیارے مرید کو پیش فرماتے ہوئے بڑی محبت سے فرمایا: ”رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سلام پیش کریں۔“ حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ نے کانپتی ہوئی آواز میں عرض کیا: ”اسلامُ غلیک یا سیدی المرسلین!“ اور پھر ارد گرد موجود لوگوں نے پیارے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ جواب ارشاد فرماتے سنا کہ: ”وعلیکم السلام یا سلطان الہند!“ اس طرح اُس دن سے ”سلطان الہند“ کا تاج حضرت خواجہ معین الدین چشتیؒ اجمیری رحمۃ اللہ علیہ کے سر مبارک پر سجایا گیا اور بے شک یہ تاج آپ رحمۃ اللہ علیہ کے سر مبارک پر ابدالآباد تک سجا رہے گا۔

یہ حضرت علی ہجویری رحمۃ اللہ علیہ کے مزارِ اقدس کا مقام تھا جہاں سب سے پہلے حضرت خواجہ صاحب کے قدم مبارک داخل ہوئے۔ یہ ایک دلی کا دوسرے دلی کے خیر مقدم جیسا تھا اور یہ فیض ۴۰ روز تک حضرت خواجہ صاحب پر برتا رہا جو آپ؟

کے چلنے کی مدت تھی۔

ہندوستان، خواجہ صاحب کے لئے بالکل ہی ایک نئی جگہ تھی اور خاص طور پر اُن صتم پرستوں کے دلوں تک اللہ کے پیغام کو پہنچانے کے لئے آپ رحمہ اللہ کو اُن کی زبان کو سیکھنا ضروری تھا۔ آپ نے اس مقصد کے لئے پانچ سال تک ملتان میں قیام کیا۔ یہاں سے آپ دہلی گئے اور پھر وہاں سے مستقل قیام کیلئے اجمیر شریف تشریف لے گئے۔ یہ شہر آگرہ کے جنوب میں تاراگرھ کے پہاڑوں کے درمیان واقع ہے۔ کئی راجاؤں کی حکمرانی کے بعد اُس وقت وہاں راجہ پرتھوی راج کا دور تھا جب اجمیر کی خوش حالی میں بہت اضافہ ہوا تھا۔ اُس کا ایک قلعہ تھا جس کی بنیادیں راجہ بے پال نے رکھیں تھیں لیکن اُس کو مکمل پرتھوی راج نے کیا تھا اور اُسے پورے ہندوستان میں سب سے زیادہ مضبوط سمجھا جاتا تھا۔ جب سلطان الہند اجمیر پہنچے تو آپ نے گھاس پھوس سے ایک کٹیا بنائی اور اُس میں چند ضروری اسباب کے ساتھ رہنا شروع کیا، یعنی ایک مصلیٰ، ایک پانی کا برتن اور ایک جوڑا کپڑے کے ساتھ۔ کچھ دنوں تک تو مقامی لوگوں نے سمجھا کہ یہ ایک اور جوگی ہیں، لیکن جب وہ آپ کی کٹیا کے قریب گئے تو انہوں نے آپ کو بالکل ہی مختلف پایا۔ تجسس اور آپ کے

نورانی چہرے کے باعث ان ہندوؤں نے آپ کے پاس آنا شروع کیا اور رفتہ رفتہ آپ کے دین حق کی تبلیغ سے متاثر ہونے لگ گئے۔

خوبصورت انا ساگر دریا کے قریب ، ایک گھنے سایہ دار درخت کے نیچے قیام کرنے والے اس نئے درویش کی خبر جو لوگوں کو دین حق کی طرف بلا رہے تھے ، راجہ پرتھوی راج تک پہنچی ۔ غصے کے عالم میں راجہ نے اپنے سپاہیوں کو دریا کے اطراف تعینات کیا تاکہ خواجہ صاحب اور ان کے مُرید دریا سے پانی نہ لے سکیں ۔ مگر اُس کو خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے کشف و کرامات کے بارے میں ذرا بھی آگاہی نہیں تھی ۔ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ کو راجہ کی طرف سے اس پابندی کا علم ہوا تو آپ نے اپنے ایک مُرید سے فرمایا کہ وہ دریا سے نقط ایک پیالہ پانی بھر کر لائے ۔ کہتے ہیں کہ جب مُرید نے پیالے میں پانی بھرا تو پورا دریا سوکھ گیا اور اُس کے ساتھ ہی قرب و جوار کے تمام کنویں اور چشمے بھی سوکھ گئے ۔ اس سے پورے اجیر میں ایک ہلچل سی مچ گئی اور جس کسی نے اُس کے بارے میں سنا ، وہ اپنے کانوں پر بھروسہ نہیں کر سکتا تھا ۔ جلد ہی پرتھوی راج نے خاموشی سے اپنے کچھ آدمی اس دلی کے پاس بھیجے ، جنہوں

نے جا کر اپنی بد عملی پر معافی مانگی اور درخواست کی وہ انہیں معاف کر دیں۔ یہ دراصل لوگوں کی بغاوت کا خوف تھا جس نے راجہ کو جھکنے پر آمادہ کیا تھا لیکن اُس کی نفرت جاری رہی اور اُس نے خود کو اور اپنے لوگوں کو یہ بار آور کرایا کہ اس درویش کے پاس جادوئی طاقتیں ہیں اور صرف ایک مضبوط تر جادوگر ہی اس مسلمان فقیر کے اثرات کو ختم کر سکتا ہے۔ اُس کے بعد متعدد جادو گروں کو درویش کے جھونپڑے کی طرف روانہ کیا گیا مگر کسی نہ کسی طرح اُن کے جادو کا اثر ایک حد سے آگے نہیں جاپاتا اور وہ ناکام ہو کر لوٹتے۔

مگر پرتھوی راج کے دل میں مسلمانوں کے لئے سخت نفرت بھری تھی اور اس نفرت کی اصل وجہ پرتھوی راج اور شہاب الدین غوری کے درمیان وہ جنگ تھی جس میں مسلمان حکمران کو شکست ہوئی تھی۔ اس شکست سے شہاب الدین غوری کو اتنی تکلیف ہوئی تھی کہ اُس نے خود سے وعدہ کیا تھا کہ وہ اپنا جنگی لباس اُس وقت تک نہیں اتارے گا جب تک کہ وہ راجہ پرتھوی راج کو زنجیروں میں جکڑا اپنے سامنے نہیں دیکھے گا۔ دوسری صورت میں اُس کا جنگی لباس اُس کا کفن بن جائے گا۔

اس کامل درویش کے ہاتھوں سے پرتھوی راج
 کے جادوگروں کی شکست کے بعد، اجیر کی پوری فضاء
 پریشان اور بے چین تھی۔ اس مرتبہ پرتھوی راج نے
 اپنے عظیم ترین جادوگر جوگی جے پال کو مقابلہ کرنے کیلئے
 بھیجنے کا فیصلہ کیا۔ اس میں غرور و تکبر اس قدر تھا کہ کہا کرتا
 تھا کہ: ”پورے ہندوستان پر میرے علم کی حکومت ہے اور یہ
 میرے اختیار میں ہے کہ میں اقتدار کس کے حوالے کروں اور
 کس سے چھین لوں۔“ آج میں اس مسلمان درویش کو ایسا سبق
 سیکھاؤں گا کہ یہ اس زمین پر ان کا آخری دن (ثابت) ہوگا اور
 اُس کے بعد کوئی اچھوت کبھی یہ جرات نہیں کریگا کہ ہماری مقدس
 زمین پر قدم رکھے۔ تو اس طرح اُس کے شاہانہ جلوس میں ۵۰۰
 (پانچ سو) جادوگر شامل تھے جو آسمان تک آگ اُچھال رہے تھے
 اور سانپ اُن کے ساتھ اڑ رہے تھے۔ یہ جادوئی ڈرامہ کچھ دیر تک
 چلتا رہا، لیکن جیسے ہی وہ خواجہ صاحب کے جھونپڑے کے قریب
 پہنچے تو آگ از خود بجھ گئی اور سانپ غائب ہو گئے۔ جے پال نے
 فخری انداز میں کہا: ”میں جوگی جے پال ہوں، ہماری حکومت ان
 پہاڑوں اور زمین پر ہے۔ بہتر یہی ہے کہ آپ اس جگہ سے
 چلے جائیں۔“ لیکن خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے ایک انچ بھی ہلے

بغیر جواب دیا: ”ہم یہاں واپس جانے کے لئے نہیں آئے ہیں
 اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ آسمانی قہر کس پر نازل ہوگا۔“
 یہ سن کر جادوگر نے اپنے ہاتھ کو حرکت دی جس سے
 ایک رستی نمودار ہوئی جس کا ایک سیرا اُس کے ہاتھ میں تھا اور
 دوسرا سیرا آسمان کی بلندیوں میں چھپا ہوا تھا۔ جادوگر نے کہا:
 ”میں آسمان پر چڑھ رہا ہوں اور وہاں سے میرا عذاب آپ پر
 بجلی کی طرح پڑے گا۔“ یہ کہہ کر وہ اوپر چڑھنے لگا اور جلد ہی
 آسمان میں کہیں پوشیدہ ہو گیا۔ جب خواجہ صاحب نے یہ منظر
 دیکھا تو آپ نے اپنے نعلین اُتارے اور اُنہیں آسمان کی جانب
 اُچھالا اور فرمایا: ”اس ساحر کو زمین پر لاؤ جو مسلمانوں کو تباہ
 کرنے آسمان پر گیا ہے۔“ اور پھر دنیا نے ایک عجیب منظر دیکھا۔
 جوگی بے پال نیچے اُترتے چینخ رہا تھا اور خواجہ صاحب کے
 نعلین اُس کے سر کو لوہے کے سرے کی طرح پیٹ رہے
 تھے۔ شکت خوردہ جادوگر سلطان الہند کے قدموں میں آگرا
 اور رونے لگا۔ خواجہ صاحب نے اُسے اُٹھایا اور پیار بھرے لہجے
 میں فرمایا کہ: ”دُنیا میں صرف خدا پرستوں کی بات حق ہے اور بلاآخر
 حق کو ساری کائنات میں غلبہ حاصل ہو کر رہے گا۔“ یہ جوگی کی
 زندگی کا کایا پلٹ لمحہ ثابت ہوا جب اُس نے کلمہ طیبہ پڑھ کر

اپنی راہ تاریکی سے نورِ الحق کی طرف موڑ لی۔ اللہ کے ولیوں کی ایمانی قوت کا زور ایسا ہوتا ہے۔ بعد میں بے پال کو اسلامی نام عبداللہ صحرائی کے نام سے نوازا گیا اور وہ اپنے مُرشد کے نہایت قریب ہو گئے۔

خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی کتاب ”فوائد السالکین“ میں جس کی ترتیب خواجہ بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے دی ہے، لکھا ہے کہ ایک مرتبہ وہ اپنے مرشد کی خدمت میں حاضر تھے۔ یہ وہ وقت تھا کہ پرتھوی راج ابھی زندہ تھا اور کہا کرتا تھا: ”کیا ہی اچھا ہو کہ یہ فقیر یہاں سے چلا جائے“ اُس وقت کئی دوسرے درویش وہاں موجود تھے۔ جب کسی نے یہ جملہ خواجہ صاحبؒ کے سامنے دہرایا، جو اُس لمحے حالاتِ سُکر میں تھے، آپؒ فوراً ہی مراقبے میں چلے گئے اور مراقبے کے دوران آپ کی زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے سُنے گئے: ”ہم نے پرتھوی راج کو زندہ ہی مسلمان کے حوالے کیا۔“

تو کہا جاتا ہے کہ ایک قلیل عرصے میں سلطان شہاب الدین غوری کے لشکر نے اجمیر پر چڑھائی کر دی اور ایک شدید جنگ کے بعد لشکر نے راجہ پرتھوی راج کو زندہ گرفتار کیا۔ حضرت بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا بیان یہ کہتے ہوئے ختم کیا کہ: ”اس

سے معلوم ہوتا ہے کہ درویش ایک پیالے میں آگ رکھتے ہیں (یعنی نقصان بھی پہنچا سکتے ہیں) اور دوسرے میں پانی (یعنی نفع بھی پہنچا سکتے ہیں)۔“

ایک دوسری کرامت کا ذکر بھی کتاب سیرت الاقطاب میں ہے جس کے مطابق ایک عورت روتی ہوئی خواجہ صاحب کی خانقاہ تک پہنچی۔ جب وہ داخل ہوئی تو فوراً ہی اس ولی کے قدموں میں گر پڑی اور روتی ہوئی بولی: ”میں یہاں اپنے بیٹے کو حاصل کرنے آئی ہوں، لوگ کہتے ہیں کہ آپ کی دعا سے میرا گم شدہ بیٹا واپس آئے گا۔“ جب دوسروں نے عورت کو دلاسا دیا تو اُس نے کہا: ”میں ایک غریب بیوہ ہوں جس نے اپنے بیٹے کی پرورش اکیلے ہی کی تھی جب سے وہ دو سال کا تھا۔ جب وہ بڑا ہوا تو شہر کے ظالم قانون نے میرے بیٹے کو شکنجے میں لے لیا۔ ایک امیر آدمی کے بیٹے نے ایک غریب لڑکے کو قتل کر دیا تھا جو میرے بیٹے کا ہی دوست تھا۔ بااثر لوگوں نے اس قتل کا الزام میرے بیٹے پر لگا دیا جس کو پکڑ کر پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ اب میں اپنے بیٹے کی میت کو اکیلے چھوڑ کے آپ کے پاس آگئی ہوں۔“ جب خواجہ صاحب نے یہ سنا تو آپ کے چہرے کا رنگ بدل گیا اور آپ کے لبوں

سے یہ الفاظ نکلے: ”اے اللہ! اپنے بندے معین کی مدد کریں، آپ اس کی حقیقت کو جانتے ہیں“ دراصل..... حضرت معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ کے مخالفین نے یہ کھیل کھیلنا تھا اور اس غریب عورت سے کہا تھا کہ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ سے دُعا کے لئے جا کر کہیں۔ خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کچھ دیر خاموش رہے، پھر فرمایا: ”مجھے اپنے بیٹے (کی میت) کے پاس لے جائیں۔“ روتی ہوئی ماں خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ اور آپ کے مُردین کو ساتھ لے کر اُس جگہ لے گئی جہاں اُس کے بیٹے کی میت رکھی ہوئی تھی۔ تھانے کا گارڈ یہ دیکھ کر غصہ میں آگیا لیکن جب اُس نے خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ کی آواز سنی تو خاموش ہو گیا۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرما رہے تھے: ”ہم اس لڑکے کو لے جانے کیلئے ہی آئے ہیں۔“ پھر خواجہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں موجود ہر ایک سے عصر کی نماز ادا کرنے کے لئے کہا اور کافی دیر تک آپ دُعا فرماتے رہے۔ ہر آنکھ اشکبار تھی۔ پھر اچانک حیرت انگیز واقعہ رونما ہوا۔ خواجہ صاحب نے لاش کے پاس کھڑے ہو کر فرمایا: ”اگر تو مظلوم ہے تو خدا کے حکم سے زندہ ہو جا۔“ جیسے ہی یہ الفاظ ادا ہوئے لڑکے کی لاش میں حرکت ہوئی اور اُس کی آنکھیں کھل گئیں۔ ماں اور بیٹا دونوں ولی کے

قدموں میں گر گئے۔ مجمع میں سکتہ طاری ہو گیا۔ کوئی بھی ماں اور بیٹے کو خواجہ صاحب کے ساتھ جانے سے روک نہیں سکا۔ پورے شہر میں اس سے ہلچل مچ گئی، لیکن خواجہ صاحب ”ہر ایک کو یہ کہہ کر پُر امن رکھنے کی ہدایت کر رہے تھے کہ: ”کسی فریب میں نہ آنا۔ یہ اُسی قدرت کا ادنیٰ نمونہ ہے جس نے حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو بغیر باپ کے پیدا کیا اور ابو البشر آدمؑ کو ماں باپ دونوں کے بغیر پیدا کیا۔ وہ جس طرح چاہے اپنی نشانیاں دکھاتا ہے۔ ایک بندے کا اپنے مالک سے اتنا تعلق ضرور ہونا چاہیے کہ بندہ جو درخواست کرے، اللہ اُسے قبول فرمائے۔“

اے اُمّتِ محمدی! یہ تو محض ایک مثال تھی سلطان الہند، حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے مقامِ معرفت کی۔ کون بھلا اس ولی کے اصل مقام کو جان سکتا ہے؟ بے شک اللہ کے محبوب، اللہ کے عاشق، وہ خاص لوگ ہیں جن کے تذکرے دلوں کو ہمیشہ گرماتے رہیں گے اور رُوح کو جلا بخشتے رہیں گے۔

اللہ تعالیٰ حضرت خواجہ غریب نواز رحمۃ اللہ علیہ کے درجات کو بلند تر فرمائے اور آپ رحمۃ اللہ علیہ کا فیضان ہم سب پر برستا رہے۔

آمین!

ثم آمین!

دن اس لئے عطا کرتا ہے تاکہ آپ ایک نیا آغاز لیں ، تاکہ آپ توبہ کریں اور اپنے گناہوں کی معافی طلب کریں ، مگر شرط یہ ہے کہ آپ کے دل کو اس کا احساس ہو۔ اُسے توبہ کی اہمیت کو اچھی طرح جاننا چاہیے۔

وقت بہت تیزی سے گزر رہا ہے۔ ضائع کرنے کے لئے وقت بہت کم ہے۔ اللہ نے ہر شخص کو سانسوں کی خاص تعداد دی ہوئی ہے اور جیسے ہی یہ سانس ختم ہوتی ہیں ، تو پھر اس پوری کائنات میں کسی بھی مرنے والے کو کوئی اضافی سانس نہیں دے سکتا۔ وہ جنہوں نے یہ سانس استعمال کر ڈالی ہیں اور زمین کے نیچے دفن ہو گئے ہیں ، وہ کسی صورت میں بھی گزری ہوئی سانسوں کو واپس نہیں لاسکتے۔ وہ چاہیں گے کہ وہ سانس اُن کو واپس مل جائیں تاکہ وہ دنیا میں لوٹ کر اپنے اللہ کی مکمل اطاعت میں رہ سکیں۔ یہ اس لئے کہ اب موت کی نیند سو جانے کے بعد انہیں دوسری دنیا کی اس حقیقت کا علم ہو چکا ہے جو اُن پر ظاہر ہو چکی ہوگی۔ دنیا کے تمام جھوٹے وعدے اُن کے لئے افسوس اور شرمندگی کا باعث بن گئے اور ضائع شدہ وقت کا افسوس انہیں زیادہ قابلِ رحم اور بے سہارا بنا دیتا ہے۔ اُن کی طرف سے افسوس

اس لئے ہے کیونکہ انہوں نے نہایت قیمتی وقت ضائع کیا؛ یعنی وہ وقت جو انہیں اللہ نے اطاعت کے لئے دیا ہوا تھا اُسے خود غرضانہ مشاغل میں برباد کر دیا۔

اس سارے معاملے کو سمجھنے کیلئے آئیے مولانا رومیؒ کی مثنوی سے ایک حکایت کی مثال لیتے ہیں: کہتے ہیں کہ: ایک بار دریا میں سیلاب آگیا جس کی وجہ سے قریب کے کچھ گڑھے بھی پانی سے بھر گئے۔ اتفاق سے اُن گڑھوں میں سے ایک گڑھے میں دریا کی تین مچھلیاں بھی آگئیں۔ اُن مچھلیوں میں سے ایک عقلمند تھی، دوسری نیم عقل تھی اور تیسری بالکل ہی بے عقل تھی۔ تینوں مچھلیاں اُس گڑھے میں ہنسی خوشی اُس وقت تک رہنے لگیں جب ایک دن ایک مچھیرا وہاں پہنچا اور اُس نے اُن مچھلیوں کو دیکھ لیا۔ اُس نے فیصلہ کیا کہ وہ اگلے روز اپنے جال کے ساتھ آکر ان کا شکار کرے گا یعنی اُن تین مچھلیوں کا پھیرے کے چلے جانے کے بعد عقلمند مچھلی نے دوسری دو سے کہا: ”ہمیں چاہیئے کہ ہم اس گڑھے سے نکل کر دریا تک پہنچنے کی کوشش کریں تاکہ خود کو اس آدمی سے بچا سکیں۔“ اس پر نیم عقل مچھلی نے کہا: ”میں نے بھی وہ

سنا جو پھیرے نے کہا۔ لیکن مجھے یہ بھی یاد ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے کہ: "وطن کی محبت جزو ایمان ہے۔ اس لئے میں اپنا وطن نہیں چھوڑوں گی۔" عقلمند مچھلی نے کہا کہ: "میں بھی جانتی ہوں جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا تھا، مگر آپ لوگوں نے وطن کے بارے میں اس عارضی قیام کو غلط سمجھا ہے۔" اس پر بے وقوف مچھلی نے کہا: "تم دونوں بلا ضرورت خوفزدہ ہو رہی ہو۔ چاہے مچھیرا کچھ بھی کرے، وہ مجھے نہیں پکڑ سکے گا۔" عقلمند مچھلی نے کہا کہ: "تم لوگوں کو سمجھانا میری ذمہ داری تھی۔ اب تم اس کو سمجھتی ہو یا نہیں، اس کا دار و مدار تمہارے اپنے ذمے ہے۔ اس لئے میں تو دریا کی جانب روانہ ہو رہی ہوں چاہے یہ تم کو اچھا لگے یا نہیں۔" یہ کہتے ہوئے عقلمند مچھلی دریا کے لئے روانہ ہو گئی اور تمام رکاوٹوں کو عبور کرتے ہوئے دریا تک پہنچ گئی۔

دوسرے دن مچھیرا آیا اور دونوں مچھلیوں کو پکڑ لیا مگر قدرے عقلمند نے سانس لینا بند کیا اور مرنے کا ڈھونگ رچایا۔ اس لئے پھیرے نے اُسے دریا میں پھینک دیا۔ اس طرح یہ مچھلی بھی بچ گئی۔

لیکن بے عقل مچھلی جس نے سوچا تھا کہ مچھیرا اُسے

کبھی پکڑ نہیں سکے گا ، وہ مکمل طور سے جال میں آگئی اور
 اُس کا دکھ اور پشیمانی اُسے اِس انجام سے نہ بچا سکے “
 اس حکایت سے معلوم ہوتا ہے کہ صرف عقلمند لوگ
 جو اپنی مستقبل کی زندگی کے بارے میں سوچتے ہیں اور اُس
 کے لئے تیار رہتے ہیں ، وہی خود کو عاقبت کی شرمندگی اور
 سختیوں سے بچا سکتے ہیں۔ لیکن وہ لوگ جو یہ سوچتے ہیں کہ
 کون اُنہیں کبھی پکڑ سکے گا اور کون اُن کے اعمال کے بارے
 میں پوچھے گا ، وہ اُس جال میں پھنسی ہوئی مچھلی کی طرح ہوں
 گے جس نے عقلمندی سے کام نہیں لیا تھا۔

دوسری دنیا کی منزلیں نہایت مشکل ہیں۔ وہ آپ کے
 سر پر منڈلاتی تلواروں کی طرح ہیں۔ وہ آپ پر وار کرنے کیلئے
 ہر وقت تیار ہیں جیسے ہی حضرت عزرائیل علیہ السلام کو آپ کو لے
 جانے کا حکم ملے۔ ایسے لوگوں پر صد افسوس جو اُس بے عقل
 مچھلی کی طرح یہ سوچتے ہیں کہ وہ اُن کے ہاتھوں کبھی پکڑے
 نہیں جاسکتے۔

یہی بات عاد کی قوم کے لوگوں نے سوچی تھی کہ وہ
 کبھی نہیں مریں گے اور کوئی اُن سے کسی چیز کے بارے میں
 نہیں پوچھ گچھ کرے گا۔ وہ حضرت عیسیٰ سے تقریباً ۲۰۰۰ سال

پہلے رہتے تھے۔ وہ بُت پرست تھے اور حضرت نوح علیہ السلام
 کی قوم کی طرح بڑے ماہر سنگ تراش تھے۔ اُن کے خدا بھی
 یکساں تھے۔ وُود، سَوا، یَاغُوْث، یَعْقِیْن اور نصر۔
 اقتدار اور دولت نے عاد کے لوگوں کو اتنا سرکش بنا دیا تھا
 کہ وہ بھول گئے تھے کہ اُن کا پیدا کرنے والا کون ہے اور
 اُنہیں کس کے پاس لوٹ کر جانا ہے۔

لیکن اللہ بغیر خبردار کئے اور ہدایت کئے کبھی سزا دینا
 شروع نہیں کرتا۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کے پاس حضرت ہودؑ
 کو پیغمبر بنا کر بھیجا گیا۔ اس پیغمبر پاک نے اُن کو اللہ کی
 طرف واپس بلایا اور فرمایا: ”بُتوں کو بنانا اور اُنہیں پوجنا
 پھوڑ دو۔ وہ نہ آپ کو فائدہ پہنچا سکتے ہیں اور نہ ہی کسی
 طرح کا کوئی نقصان پہنچا سکتے ہیں۔ اُس کی طرف آجاؤ جس
 کے ہاتھ میں سارے اختیارات اور قوتیں ہیں۔ اُس کی
 طرف آؤ جو تم کو معاف کر دے گا اور تم پر کرم فرمائے گا۔“
 مگر عاد کے لوگ اِن باتوں سے مشتعل ہو گئے اور اُن کی
 سرکشی نے اُن کو یہ کہنے پر مجبور کیا کہ: ”اے ہودؑ! آپ
 ہمارے پاس کوئی اچھی دلیل نہیں لائے، ہم آپ کی خاطر اپنے
 خُداؤں کو نہیں چھوڑ سکتے اور ہم آپ پر ایمان نہیں لائینگے۔“

اور جس طرح سُوْرَةُ هُوْد میں فرمایا گیا کہ: ”اور عاد کی طرف ہم نے اُن کے بھائی هُوْد کو بھیجا جنہوں نے اپنے لوگوں سے کہا: اے میرے لوگو! اللہ کی عبادت کرو آپکا کوئی خدا نہیں سوائے اُس (اللہ) کے۔ آپ لوگ کچھ بھی نہیں کر رہے سوائے جھوٹ تراشنے کے۔ اے میرے لوگو! میں اس کے لئے آپ سے کوئی انعام (معاوضہ) طلب نہیں کرتا۔ میرا انعام اُس کے پاس ہے جس نے مجھے پیدا کیا ہے۔ اے میرے لوگو! اپنے رب سے مغفرت مانگو۔ اُس سے توبہ کرو۔ وہ آپ پر آسمان سے بہت زیادہ بارشیں برسائے گا اور وہ آپ کی قوت کو بڑھائے گا۔ اعترافِ گناہ میں اُس سے دُور مت بھاگو۔“

(سُوْرَةُ هُوْد : ۵۲ - ۵۰)

تو یہ تھا بھٹکے ہوئے لوگوں کیلئے زبردست گوشِ مالی۔ لیکن پھر بھی لوگوں کی بے حسی میں اضافہ ہی ہوا، انہوں نے ہنسی اُڑائی اور پیغمبر کو یہ کہہ کر دھتکار دیا کہ ”ہم کو نظر آرہا ہے کہ ہمارے خداؤں کی پھٹکار کی وجہ سے آپکی حالت خراب ہوگئی ہے۔ آپ پاگل اور دیوانے ہو گئے ہیں۔“

آخر کار پیغمبر ہود نے اعلان کیا کہ اگر عاد کے لوگوں نے اپنی نافرمانی کو جاری رکھا، تو اُن کے لئے بربادی کے

سوا کچھ بھی نہیں ہوگا۔ انہیں راہِ راست کی طرف بلا یا گیا، انہیں حضرت نوح علیہ السلام کی قوم کی مثال عبرت کے طور پر بھی دکھائی گئی تاہم انہوں نے ماضی سے کوئی سبق حاصل نہیں کیا اور نہ ہی اُس رہنما سے کچھ سیکھا جنہیں اللہ نے اُن کے پاس بھیجا تھا۔ ایسے لگ رہا تھا کہ جیسے اُن کی آنکھیں بند ہوں، اُن کے کان بند ہوں اور اُن کے دل بھی بند ہو گئے ہوں۔ قوم ہود اُس مچھلی کی مانند تھی جو اپنی بے وقوفی کی وجہ سے پھیرے کے جال میں پھنس گئی تھی۔ اسی لئے اُن کے انجام پر کسی کو حیرانگی نہیں ہونی چاہیے۔ قہرِ الہی کی پہلی نشانی پورے ایک سال کی خشک سالی کی صورت میں سامنے آئی۔ عاد کے لوگ اس سے بڑی حد تک پریشان ہو گئے اور پیغمبر ہود علیہ السلام کو اُن پر رحم آیا اور ایک بار پھر انہیں اللہ کے پیغام کی طرف بلا یا، لیکن قوم ہود پر اس کا کوئی اثر نہیں ہوا اور اُن کی مخالفت میں اضافہ ہوا۔ پھر خوفناک عذاب اُن پر ہر طرف سے آیا۔ ۸ دن اور ۷ راتوں تک ایک زبردست طوفان اُن پر سے گزرا جس سے ہر چیز تہہ و بالا ہو گئی۔ وہ جو سمجھتے تھے کہ کبھی نہیں مریں گے، وہ شہزور لوگ درختوں کے اُن تنوں کی طرح جن کو طوفان نے زمین بوس

کردیا ہو۔ وہ آنے والی تمام نسلوں کے لئے نشانِ عبرت بن گئے۔ عذاب و سزا اُن پر اِس لئے پڑا کہ وہ اُس کے حقدار بن چکے تھے۔

اللہ تعالیٰ قرآنِ پاک میں فرماتا ہے: ”چونکہ عاد کے لوگ زمین پر مغرور ہو چکے تھے بغیر کسی حق کے اور وہ کہتے تھے کہ: ”طاقت میں ہم سے زیادہ کون بڑھ کر ہے؟ کیا اُن کو نظر نہیں آسکتا تھا کہ اللہ، جس نے اُن کو پیدا کیا ہوا تھا اُن سے زیادہ طاقت اور قدرت والا ہے؟ انہوں نے ہمارے نازل کردہ احکامات سے انکار کیا۔ اِسی لئے ہم نے اُن پر ایک طوفانی ہوا سے حملہ کیا تاکہ وہ ذلت کے عذاب کو چکھ سکیں اِس دنیا کی زندگی میں۔ اور بے شک قیامت کی تباہی اُن کے لئے زیادہ شرمناک ہوگی اور اُس میں اُن کی کوئی مدد نہیں ہوگی“ (سورۃ حم سجدہ - ۱۵-۱۶)

عاد کی قوم کی کہانی آج کے حالات پر بھی صادق آتی ہے۔ حقیقت تو یہ ہے کہ عاد کے لوگوں کی ہلاکت آج کے زمانے میں زیادہ نمایاں نظر آتی ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جو اللہ کے احکامات پر کان نہیں دھرتے۔ وہ اپنی طاقت اور دولت کے باعث اتنے مغرور ہیں کہ انہیں دوسروں کے حقوق پر

ڈاکہ ڈالنے سے کچھ نہیں روک سکتا۔ انہیں اس کا احساس ہی نہیں کہ جب ایک دکھی رُوح اپنے رب کے آگے فریاد کرتی ہے، تو ایسے بدکاروں کے توبہ کرنے کا وقت کم ہونا شروع ہوتا ہے۔ جب ایک مظلوم کی دُعا عرش کو چھوتی ہے تو اُس شخص اور اُسکے مانگے جانے والے انصاف کے درمیان کوئی رکاوٹ حائل نہیں ہو سکتی۔ مظلوم کی دُعا سے ہمیشہ ڈرتے رہیں۔ جب یہ آسمانوں کی طرف بلند ہوتی ہے تو پھر کوئی بھی اُسے بلند ہونے سے نہیں روک سکتا اور اُس کے نتیجے میں یقیناً زمین پر انصاف فراہم کیا جائے گا اور یومِ حساب پر بھی کیونکہ کون ہے جو سچائی کو دوسروں کے آگے ظاہر ہونے سے روک سکتا ہے؟

زندگی میں آنے والے ہر دن کو ایک موقع جانئے اپنے ماضی کی غلطیوں کو درست کرنے کا، گزرے ہوئے سالوں کے داغ دھبوں کو صاف کرنے کا اور اُن غلطیوں کے لئے توبہ کرنے کا جو جہالت اور حماقت کے باعث آپ سے سرزد ہوئی ہیں۔ سادہ زندگی بسر کرنا سیکھئے۔ اس دنیا سے بہت زیادہ اُمیدیں نہ باندھیئے۔ یہ دُنیا بھلا آپ کو کیا دے سکتی ہے جو خود ہی نہ ختم ہونے والے

انتشارات کا شکار ہے جس میں ہر انسان فریب اور جھوٹی
 اُمیدوں میں مبتلا ہے۔

اے اُمتِ محمدی ! ذرا سوچئے تو یہی کہ اللہ نے
 آپ سب کو کیسی کیسی نعمتوں سے نوازا ہے۔ آپ کو سب
 سے خوش قسمت ترین اُمت بنایا، اپنے محبوب رسول ﷺ
 کی اُمت بنایا، وہ اُمت جس کا حصہ بننے کے لئے انبیاء
 آرزو مند رہا کرتے تھے۔ آپ کو بہترین ہدایت سے نوازا
 ہے، بہترین دوستوں اور اُستادوں سے نوازا ہے جو آپ کی
 تعلیم کے لئے ہر وقت دنیاوی حیات کے نشیب و فراز میں
 آپ کی رہنمائی کے لئے موجود ہیں۔ آپ لوگ اُن حضرت
 آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں جن کے کمالات نے انہیں مسجود
 ملائک بنایا، اُن انسان کی اولاد ہیں جن کے لئے آگ گلزار
 بنا دی گئی اور وہ جن کے لئے دریا کو دو حصوں میں شق
 کر کے راستہ بنایا گیا۔

اللہ کی تمام دوسری مخلوقات میں یہ ہے انسان کا
 مقام و مرتبہ اور آپ سب کا مرتبہ۔ اے اُمتِ محمدی !
 یہ ہے کہ سدرۃ المنتہیٰ بھی رسول پاک ﷺ کے قدم مبارک
 کو آگے جانے سے نہیں روک سکا۔ اس طرح آپ ﷺ

نے آپ سب کے لئے اپنے رب تک پہنچنے کا ایک سیدھا راستہ کھول دیا۔ اور یہ آپ ﷺ نے اپنے ہر ایک امتی کے لئے کھول دیا ہے۔ تو آپ کو ان بندیوں تک پہنچنے کے لئے کون سی چیز روک رہی ہے؟ محبت کی اس راہ پر دوڑنے سے آپ کو کون روک رہا ہے، وہ راستہ جو سیدھا آپ کے رب کی جانب جاتا ہے۔ اس راہ کے تقاضے بھی آپ سے کچھ زیادہ نہیں ہیں۔ یہ آپ سے صرف ایک چیز مانگتی ہے اور وہ چیز ہے آپ کا دل، ایک صاف اور وفادار دل۔

اس راہ کا صرف یہی تقاضا ہے۔ اگر آپ سمجھتے ہیں کہ آپ اس تقاضے کو پورا کرنے کے اہل نہیں ہیں، تو تب بھی اس راہ کی دعا کریں اور یہ دعا سچی نیت سے کریں۔ حتیٰ کہ یہ آرزو بھی آپ کیلئے بہت زیادہ فائدے مند ہوگی۔ جلد ہی آپ دیکھیں گے کہ کئی ہاتھ آپ کی طرف بڑھیں گے تاکہ وہ آپ کو اس سفر پر چلائیں۔ پہلی بات تو یہ ہے کہ اپنے مُرشد کا ہاتھ بڑی محبت، ادب اور احترام سے تھامیں اور تھوڑی ہی دیر میں آپ کو کئی اولیاء اللہ کے ہاتھ اپنے ہاتھ میں محسوس ہوں گے۔ اور اگر آپ اپنی

توجہ قبلے کی طرف مرکوز رکھیں اور مزید کے لئے آپ کی آرزو
 بڑھتی جائے اور یہ خواہش ایک لمحے کے لئے بھی ختم نہ ہو
 تو پھر جلد ہی آپ کو اپنے ہاتھ میں ایک خاص الخاص ہاتھ
 محسوس ہوگا، یعنی رسول پاک ﷺ کا دست مبارک جو بڑی
 محبت اور نہایت کرم سے آپ کو سفر کے آخر تک لے چلے
 اور اس سے بھی آگے، (انشاء اللہ) !

آمین!

ثم آمین!



توبہ (دوسرا حصہ)

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو ہر ایک دل کا راز دان ہے اور جو گنہگاروں کے عیبوں پر پردہ ڈالتا ہے۔ وہ اُن سب کی توبہ قبول کرتا ہے جو صدقِ دل سے اُس سے معافی طلب کرتے ہیں۔

دُرود و سلام احمد مجتبیٰ، محمد مصطفیٰ ﷺ پر، وہ جن کا اسمِ گرامی سونے کے حروف سے لوحِ عظیم پر لکھا ہوا ہے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اللہ کے محبوب کے تمام عاشقوں پر جن کے دلوں میں بے شک (محبت کا) ایک قیمتی خزانہ ہے۔

سیدنا موسیٰ علیہ السلام کی ایک حکایت ہے کہ ایک بار اُس علاقے میں زبردست قحط پڑا جہاں آپ رہتے تھے۔

بنی اسرائیل کے تمام افراد جمع ہو گئے اور اپنے رسولؐ کے پاس گئے اور اُن سے بارش کے لئے دُعا کرنے کی درخواست کی۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے آبادی سے ستر ہزار (۷۰۰۰۰) آدمی ساتھ لے اور ایک ویرانے میں جا کے دُعا فرمائی کہ: ”اِلهی ہم پر بارش برسا اور اپنی رحمت ہم پر پھیلا شیرخوار بچوں کے صدقے، وہ چرنے مچکنے والے جانور کے صدقے اور نمازی بوڑھوں کے واسطے۔“ مگر اس کے باوجود آسمان زیادہ صاف ہوا اور سورج زیادہ گرم ہو گیا۔ (یہ دیکھ کر) حضرت موسیٰؑ نے دوبارہ عرض کیا: ”اے میرے پروردگار! تیرے سامنے میرا رتبہ کم ہو گیا ہے تو میں نبیؐ و آخر الزماں حضرت محمدؐ صلی اللہ علیہ وسلم کے وسیلے سے دُعا کرتا ہوں ہم پر بارانِ رحمت نازل فرما۔“

وحی آئی: ”اے موسیٰ! میرے نزدیک آپ کا رتبہ کم نہیں ہوا ہے اور نہ ہی آپ کی دجاہت میں کمی آئی ہے، مگر ان لوگوں میں ایک ایسا شخص ہے جو ۴۰ سال سے گناہ کے ذریعے مجھ سے برسبر پیکار ہے۔ آپ اعلان کر دیں کہ وہ شخص آپ کے صحابہ میں سے نکل جائے۔ میں نے اسی کی وجہ سے بارش روک دی ہے۔“ پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے کہا: ”مالکُ المولیٰ! میری یہ کمزور آواز میرے ان تمام لوگوں تک کس طرح

پہنچے گی جبکہ اُن کی تعداد ستر ہزار (۷۰۰۰۰) ہے؟ "غیب سے
 وحی آئی کہ: "بات کرنا آپ کا کام ہے اور آپ کی آواز کو لوگوں
 تک پہنچانا میرا کام ہے۔" اس پر حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اعلان
 کیا کہ: "اے وہ شخص جس نے ۴۰ سال تک گناہ کر کے اللہ
 سے جنگ کی ہے یہاں سے نکل جاؤ۔ یہ تمہاری بد اعمالیوں کا
 سبب ہے کہ بارش بند ہے۔" یہ اعلان سُن کر اُس خاص
 آدمی نے ادھر ادھر دیکھا کہ کوئی اور شخص تو کھڑا نہیں ہوا
 نکل جانے کے لئے لیکن کوئی بھی نہیں اُٹھا۔ تو وہ شخص سمجھ
 گیا کہ اعلان اُسی کے لئے تھا۔ اس لئے اُس نے مارے
 شرم کے اپنا منہ چادر میں چھپایا اور صدقِ دل سے توبہ کی
 اور پکارا: "اے غفور الرحیم! میں آپکا ۴۰ سال تک نافرمان
 بندہ تھا اور آپ نے کبھی مجھ سے نہیں پوچھا۔ اب میں
 آپ کے پاس توبہ کرنے حاضر ہوں، مجھے قبول کیجئے۔"
 ابھی یہ مناجات ختم بھی نہیں ہوئی تھی کہ ایک بڑا بادل
 آسمان پر نمودار ہوا اور ایسی زبردست بارش شروع ہوئی
 جیسے کسی نے مشک کے ٹانکے توڑ دیئے ہوں۔ اس پر
 حضرت موسیٰ علیہ السلام نے بارگاہِ رب العزت میں عرض کیا:
 "یا رب! کوئی یہاں سے نہیں نکلا تو یہ بارش کیسے شروع

ہوئی؟“ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا: ”اے میرے پیارے کلیم! وہ شخص جس کے باعث بارش رُکی ہوئی تھی اُس نے توبہ کر لی ہے اور اُس کی توبہ سے میرا موٹلا دھار کرم آپ پر برسنے لگا۔“ اس پر حضرت موسیٰؑ نے عرض کیا: ”اے مالکِ بے نیاز! مجھے وہ شخص دکھا دیجئے!“ ارشادِ باری تعالیٰ ہوا: ”میں نے اُس کو نافرمانی کے زمانے میں رسوا نہیں ہونے دیا۔ اب وہ فرمانبردار ہو گیا ہے تو اُسے کیا رسوا کروں۔ میں چغلی کرنے والوں کو ناپسند فرماتا ہوں اور خود ہی ایسا کروں؟“

توبہ اُمت کے لئے ایک رحمت ہے یہ وہ رحمت ہے جو نامہ اعمال سے تمام کالک دھو ڈالتی ہے بس ایک گناہ گار کی آنکھ کی نمی سے۔ یہ ایک باغ کی طرح ہے جس کی زمین زرخیز ہے، جس میں سورج کی تمازت اور پانی بھی ہے۔ اب اگر اُس باغ کا مالک سمجھدار ہے تو وہ جانتا ہے کہ کون سے بیج بونے چاہئیں جو پھل دار درختوں کی صورت میں اُگیں گے۔ لیکن ایک کاہل یا لاپرواہ مالک اُن نعمتوں کو خاطر میں نہیں لاتا جو اللہ نے اُسے بخشی ہیں، تو اُس کی اس لاپرواہی کی وجہ سے وہ باغ جلد ہی بے کار جھاڑ، جھنکار یا کانٹے دار جھاڑیوں کا ایک ویرانہ بن جائے گا۔ ایک ایسی جگہ جو کسی کو

فائدہ نہ پہنچائے۔ یہ ایک افسوس ناک منظر ہو سکتا ہے لیکن فرض کیجئے کہ اس لاپرواہ مالی کو اپنی غلطی کا احساس ہو جاتا ہے اور خود سے وعدہ کرتا ہے کہ سخت محنت کر کے باغ کو پھلدار بنائے گا تو پھر وہ جھاڑ جھنکار سرسبز و شادابی میں تبدیل ہو جائینگے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اُس باغ کی بنیادی زمین زرخیز تھی اور اُس میں ہر وقت سورج اور پانی موجود تھا۔ اب اگر مناسب دیکھ بھال کی جائے تو غلطیوں کی تلافی ممکن ہے۔

یہی حال کسی کے دل کا ہے۔ نیک کام کرنے کی قدرتی ترغیب ہر انسان کی فطرت میں موجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نیکی ہر انسانی دل کو متاثر کرتی ہے۔ اب اگر ایک دل جو گناہوں کی آماجگاہ تھا اور اُس میں جھاڑ جھنکار اُگ آئے ہوں اور وہ اپنی قدرتی حالت پر واپس آجائے، اگر اس شخص کو اپنی غلطیوں کا احساس ہو جاتا ہے اور اُس تباہی کو دیکھتا ہے جو اُس کے گناہوں کی وجہ سے ہوئی ہے، تو پھر یہ امکان ہے کہ وہ اپنی نیت اور توبہ سے اپنے دل کی حالت کو بدل سکے۔ دوسروں کی طرف نرمی برتنا، معرفتِ الہی اور نیت کی پاکی کمزور دل میں نئی زندگی اور توانائی لاتی ہیں۔ یہ نہ

صرف دل کی دھڑکن کو مضبوط کرتی ہے بلکہ اس سے آنکھیں بھی ایک نئی بنیائی سے دیکھنا شروع کریں گی۔ یہ سب کچھ صرف اس لئے ہوگا کیونکہ اللہ نے اُسے توبہ کا ایک موقع دیا ہے۔ ایک مقبول توبہ ایسی ہے گویا ایک نئی زندگی عطا ہوئی ہے۔ یہ ایک نئے موقع کی طرح ہے (زندگی) دوبارہ شروع کرنے کی۔ یہ موقع تب ہی ملتا ہے جب اللہ کسی گنہگار کی توبہ کو قبول کرتا ہے اور ایک گناہ گار کی توبہ صرف اُس صورت میں قبول ہوتی ہے جب وہ صدقِ دل سے کی جائے اس نیت سے کہ وہ دوبارہ گناہ کی طرف نہیں جائے گا۔

سچی توبہ حقیقت میں ایک گناہ گار کو ولی بنا دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ توبہ کو جب اللہ قبول کرتا ہے تو وہ اُس کے گناہوں کو اس طرح صاف کرتی ہے کہ جیسے کبھی ہوئے ہی نہ ہوں، وہ اس طرح صاف ہو جاتا ہے جیسے اُس نے دوبارہ جنم لیا ہو۔ یہ ہے سچی توبہ کا نتیجہ۔

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے: ”قسمِ خدا کی کہ میں روزانہ ۷۰ بار اللہ سے استغفار کرتا ہوں اور معافی طلب کرتا ہوں۔“

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے روایت ہے کہ فرمایا

رسول اللہ ﷺ نے کہ: ”قسم ہے اُس ذاتِ پاک کی جس کے ہاتھ میں میری جان ہے، اگر تم گناہ نہ کرو تو خدا تم کو ختم کر دے اور تمہاری جگہ ایک ایسی قوم کو لے آئے جو گناہ کرے اور خدا سے مغفرت چاہے اور پھر خدا اُن کے گناہوں کو بخش دے“ (اس حدیث سے مقصود گناہ کی ترغیب نہیں بلکہ اپنی شانِ مغفرت کا اظہار ہے۔) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ فرمایا رسول اللہ ﷺ نے کہ: ”خداوند تعالیٰ دراز کرتا ہے ہاتھ اپنا رات کو تاکہ توبہ کرے گناہ کرنے والا دن کا۔ اور پھیلاتا ہے اپنا ہاتھ دن کو تاکہ توبہ کرے گناہ کرنے والا رات کا اور وہ اس توبہ کو قبول کرے اور یہ سلسلہ اُس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ نکلے آفتاب مغرب کی جانب سے، یعنی قیامت تک۔“

حضرت افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ نے ہم سب کو سیکھایا تھا کہ راہِ طریقت میں توبہ کی کتنی اہمیت ہے۔ آپ نے فرمایا تھا کہ: (نصوحی توبہ: صفحہ نمبر ۳۵-۳۴) ”عزیزانِ من! اچھی طرح جان اور مان لو کہ بندے کا اللہ تعالیٰ کی طرف پلٹنا زیادہ محبوب ہے۔ سب سے زیادہ پسندیدہ عمل توبہ کا عمل ہے، بخشش کا عمل ہے۔ توبہ کی اصل یہ ہے کہ بندہ

آئندہ اس گناہ کو نہ کرے اور بندے کو ناامید نہ ہونا چاہیے۔
 سچی توبہ کے بعد قلب آئینے کی طرح جگمگاتا ہے اور اسی
 چمک کے واسطے سے دنیا کی ہر برائی ظاہر ہوتی ہے۔
 توبہ بغیر صدقِ مجاہدہ کے درست نہیں ہو سکتی اور
 صدقِ دل سے مجاہدہ اسی وقت ہو سکتا ہے جبکہ اُس میں
 صبر موجود ہو۔ اور مجاہد وہ ہے جو اپنے نفس سے جہاد
 کرے۔ حضور ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ جس نے اپنے نفس کو
 پہچان لیا اُس نے اپنے رب کو پہچان لیا۔ اِس لئے ایک
 مومن اپنے نفس کی خوب خبر لیتا ہے ہر وقت اُس سے
 برسرِ پیکار رہتا ہے، خواہشاتِ نفس کو کچلتا ہے،
 خوفِ الہی اور تقویٰ کی تلوار سے اُس کو قتل کرتا ہے۔ ظاہر
 کے محاسبے اور باطن کی نگہداشت سے توبہ کو استقامت
 حاصل ہوتی ہے۔“

حضرت شاہ محمد عارف رحمہ اللہ اِس دنیا کو بازار سمجھتے
 تھے۔ آپ نے فرمایا کہ: ”دنیا ایک بازار ہے جس میں
 آخرت کا سامان اکٹھا کیا جاتا ہے۔ جو لوگ بازار سے
 رخصت ہونے سے پہلے خود کا محاسبہ کر لیتے ہیں وہ وقت
 کے اندر اندر اپنا سامان سفر اور زادِ راہ اکٹھا کر لیتے ہیں۔“

جن کے پاس سامان سفر اور زادِ راہ ہوتا ہے وہ سفر سے نہیں گھبراتے۔ جن کے پاس سامان نہیں ہوتا وہ سفر سے ڈرتے ہیں۔ اگر پُنج نہ سکیں تو بھی بہت پریشانی کے عالم میں سفر پر روانہ ہوتے ہیں۔“

یاد رکھیے کہ یہ سفر سب کے لئے لازم ہے۔ وہ سب لوگ جو اس دنیا میں آتے ہیں انہیں یہاں سے جانا بھی ہے۔ وہ یہاں خالی ہاتھ آئے ہیں اور وہ مرنے پر خالی ہاتھ ہی چلے جائیں گے۔ وہ واحد چیز جو اس دنیا میں رہتے ہوئے انہوں نے کمایا وہ اُن کا اعمال نامہ ہے۔ اس سے قطع نظر کہ کوئی کہاں پیدا ہوا ہے اور اُس کی پرورش کس طرح سے ہوئی، وہ ہر وقت شیطان کے شکار کی زد میں ہے، یہ تو اللہ کا کرم ہے جو انسان کے دل کو ابلیس کی گرفت سے بچاتا ہے، سچے دل سے کئی ہوئی توبہ آدمی کے اعمال نامے سے بد نما دھتے میٹا دیتی ہے۔ حتیٰ کہ دوسروں سے کیا ہوا مہربانی کا سلوک یا کمزور کی طرف محبت بھری نگاہ ڈالنے سے بھی توبہ کرنے والے کے دل پر رحمت برتی ہے۔ اللہ کی طرف محبت کا ہلکا سا اظہار بھی آپ کے دل کی حالت کو بدل سکتا ہے۔

حضرت بشرحانی رحمۃ اللہ علیہ کا واقعہ بھی نہایت غیر معمولی ہے۔ ایک بار آپ مدہوشی کے عالم میں کہیں جا رہے تھے کہ آپ کو زمین پر پڑا ہوا چھوٹا کاغذ نظر آیا جس پر اللہ کا نام لکھا ہوا تھا۔ آپ نے وہ کاغذ اٹھایا، اُسے عطر سے خوشبودار کیا اور اُسے ایک بلند جگہ پر رکھ دیا۔ اُس رات ایک درویش نے خواب دیکھا جس میں اُنہیں حضرت بشرحانی رحمۃ اللہ علیہ کے لئے اللہ کی طرف سے ایک خوشخبری کا پیغام دیا گیا تھا اور جس میں فرمایا گیا کہ: ”تو نے میرے نام کو خوشبو میں بسایا اور احتراماً اُسے اونچی جگہ پر رکھا اس لئے میں بھی تیرے نام کو بلند اور پاکیزہ مقام عطا کروں گا۔“ جب درویش خواب سے جاگا تو اُس نے خیال کیا کہ: ”بشرحانی ایک شرابی کبابی ہے اس لئے یہ خواب سچا نہیں ہو سکتا۔“ لیکن اُس نے یہی خواب دوسری اور تیسری رات کو بھی دیکھا۔ اس لئے وہ بشرحانی رحمۃ اللہ علیہ کے پاس گیا جو ایک جگہ پر لیٹے ہوئے تھے نشے میں چور اور عالم مدہوشی میں۔ جب بشرحانی رحمۃ اللہ علیہ کو بتایا گیا کہ ایک درویش اُن سے ملنا چاہتے ہیں تو عین اُسی وقت اُنہیں ایک عجیب آواز سنائی دی جو کہہ رہی تھی: ”بشر! کیا اب بھی تمہاری توبہ کرنیکا وقت

نہیں آیا؟“ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ اس آواز سے گہرا اٹھے اور شراب کا پیالہ اُن کے ہاتھ سے گر پڑا۔ آپ میکدہ سے فوراً باہر آئے جہاں درویش نے آپ کو خوشخبری سنادی۔ حضرت بشر رحمۃ اللہ علیہ کے لئے میکدہ میں وہ آخری دن ثابت ہوا۔ آپ نے صدقِ دل سے توبہ کی اور اُس دن سے لیکر زندگی کی آخری سانس تک آپ نے جوتے نہیں پہنے۔ آپ فرمایا کرتے تھے کہ: ”جس وقت میری توبہ قبول ہوئی تھی اُس وقت میں نے جوتے نہیں پہنے تھے۔“

آپ کا مقام اس قدر بلند تھا کہ جس راستے سے آپ گزرتے جانور وہاں گوبر نہیں کرتے کیونکہ آپ ننگے پاؤں چلا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ ایک درویش اپنے مُریدوں کے ساتھ کہیں جا رہے تھے تو انہوں نے راستے پر جانوروں کی لید پڑی دیکھی۔ درویش نے پریشان ہو کر پوچھا: ”کیا بشر حافی فوت ہو چکے ہیں؟“ (کیونکہ جانوروں نے اُن کے راستے میں کبھی فضلہ نہیں ڈالا ہے۔) جب وہ حضرت بشر حافی رحمۃ اللہ علیہ کے گھر پہنچے تو انہوں نے وہاں سے اُن کا جنازہ نکلتے دیکھا۔

نصیحت کے یہ الفاظ نہایت قیمتی ہیں۔ اگر انکو دل

کے اخلاص سے سنا جائے تو یہ زندگیاں بدل ڈالتے ہیں۔
 ان محفلوں میں آپ جو کچھ سُنتے ہیں اُسے فراموش نہ کریں
 کیونکہ یہی وہ الفاظ ہیں جو آپ کو آخرت کے لئے تیار کرتے
 ہیں؛ اُس دن کے لئے جب لبِ ہی لئے جائیں گے اور
 آنکھیں خوف کے مارے حلقوں سے باہر آجائیں گی؛ اُس
 روز کے لئے جب ہر زبان پر توبہ کے لفظ ہوں گے لیکن
 وہ اُس وقت بے معنی ہوں گے وہ کسی کی مدد نہیں کر سکیں
 گے کیونکہ آپ نے وہ وقت ضائع کیا ہوگا جو آپ کو توبہ
 کے لئے اس زمین پر دیا گیا تھا۔ آپ نے وہ وقت برباد
 اس لئے کیا کیونکہ آپ سمجھتے تھے کہ آپ کو یہاں ہمیشہ
 کے لئے رہنا ہے اور آپ کو اس زمین پر ہر چیز کرنے کی
 آزادی ہے۔ اس لئے: ”اے انسانو! تم چوری کرتے
 ہو، تم جھوٹ بولتے ہو اور دوسروں کی جانیں لیتے ہو۔
 افسوس اُس گھڑی پر جب موت کا فرشتہ تمہاری آنکھوں میں
 آنکھیں ڈالے گا اور خوف کے مارے تمہارے بدن میں
 موجود تکبر کا ایک ایک خلیہ پیر دیا جائے گا۔ جب زبانیں
 گنگ ہو جائیں گی اور توبہ کا کوئی لفظ اُن سے ادا نہیں
 ہوگا؛ جب صرف بڑے دکھ اور افسوس کا مقام ہوگا اُس

وقت وہاں کون ہوگا آپ کو بچانے والا جو آپ کو اپنے
کئے ہوئے کے ازالے کے لئے کوئی اور موقع دے جو آپ
زندگی میں کر چکے ہوں۔

اے اُمتِ محمدی! صلوٰۃ التوبہ ادا کریں اور ہر روز
کم از کم ستر (۷۰) بار استغفار پڑھیں جس طرح کہ رسول ﷺ
کی سنت ہے۔ یہ توبہ صدقِ دل سے کریں اور پھر آپ
دیکھیں گے کہ آپ کا پروردگار نہایت غفور الرحیم ہے۔

آمین!

ثم آمین۔



شبِ معراج

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو رحمن اور رحیم ہے
جس کی تجلّی دلوں کو روشن کرتی ہے۔
دُرود و سلام اُس ذاتِ گرامی پر جو کائناتوں کا بھید ہیں،
جنہیں دُنیا میں رحمتُ اللعالمین بنا کر بھیجا گیا تھا۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور
آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اُن سچے دلوں کے لئے
جو مشکلات اور پریشانیوں سے پُر اس دُنیا میں رہتے ہیں اور
جو ہر وقت اللہ سے مدد کے طلب گار ہیں۔

لفظ ”مشکل“ کے معنی مختلف لوگوں کی نگاہ میں مختلف
ہو سکتے ہیں۔ ایک شخص جو کم ہمت والا ہے ہو سکتا ہے وہ اُس
بوجھ کو اٹھانے کے قابل نہ ہو جو ایک ہمت والا
شخص اٹھا سکتا ہو۔ اللہ پر بھروسہ انسان کی ہمت کو بڑھاتا
ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ یہ واحد ذریعہ ہے جو لوگوں کو اپنے
بوجھ اٹھانے کے قابل بناتا ہے۔ جب آپ کسی چیونٹی کو اپنے

کاندھے پر کھانے کا ایک نوالہ اٹھاتے دیکھتے ہیں تو کبھی کبھی آپ کو خیال آتا ہوگا کہ وہ نوالہ کافی بڑا ہے لیکن پھر بھی چیونٹی اس سے پریشان نہیں ہے کہ اُسے کس طرح اٹھائے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ نوالہ چیونٹی کی ضرورت ہے اور اُس سے اُس کا فائدہ ہے۔

یہی بات ہر ایک انسان پر صادق آتی ہے۔ مشکلات کی جو گٹھڑی آپ میں سے ہر ایک اٹھائے ہوئے ہے یہ ایک طریقہ ہے آپ کے داخلی وجود کو مضبوط بنانے اور یہ آپ کو اس دُنیا میں رہنے کا حوصلہ فراہم کرتا ہے اور جب آپ کی ہمت بڑھتی ہے تو پھر آپ کے کاندھوں پر پڑے ہوئے بوجھ کا وزن کم ہونا شروع ہوتا ہے۔

اور جب آپ کی راہ کی جانب موجود استقامت آپ کو آپ کے حُدف سے دور ہونے نہیں دے گی تو پھر اللہ آپ کو اپنے انداز میں انعامات سے نوازنا شروع کرتا ہے۔ اُس کے انداز خوبصورت اور شاندار ہیں جیسے کہ خود اُس کی ذات ہے۔ جب کوئی مومن اپنے بوجھ کو پُر وقار طریقے سے اٹھاتا اور سچے دل سے کہتا ہے کہ :

حَسْبُنَا اللَّهُ وَنِعْمَ الْوَكِيلُ ، نَعْمَ الْمَوْلَى وَنِعْمَ النَّصِيرُ ه

(یعنی: ہمیں اللہ کافی ہے اور وہ کیا اچھا کار ساز ہے)۔“
 پھر آپ کا رب بھی جواب دے گا: ”اے بندے! میں
 تیرے لئے موجود ہوں؛ میرے پاس آؤ؛ میری دائمی حفاظت
 اور رحمتوں میں آؤ۔“ وہ جو اپنے اللہ کو کامل ایمان سے
 پکارتے ہیں اور اُس پر ”تو“ فیصد بھروسہ کرتے ہیں بلاشبہ
 اپنے رب کے اس جواب سے واقف ہیں۔ اس کلام،
 اس جواب کی میٹھاس سے اُن کی رُوح کو راحت پہنچتی
 ہے اور انہیں ایسی قوت ملتی ہے جو اُن میں پہلے کبھی نہیں
 ہوتی ہوگی۔

یہی وہ الفاظ تھے جو رسول اللہ ﷺ کے قلب مبارک
 سے بھی نکلتے تھے۔ آپ ﷺ کا دل جب وہ غمزدہ ہوتے،
 تو ہمیشہ یہی الفاظ کا ورد فرماتا کہ: حسبنا اللہ ونعم الوکیل:
 یہ الفاظ آپ ﷺ کی قوت اور حوصلے (کا باعث) تھے۔ یہی
 وجہ ہے کہ آپ نے اپنی اُمت کو اس کی تعلیم دی تھی۔ کون کہہ
 سکتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ کے بوجھ کسی اور سے کم تھے
 حقیقت تو یہ تھی کہ آپ ﷺ کا عزم اور اللہ پر کامل بھروسہ
 تھا کہ آپ ﷺ نے تنہا اپنے دشمنوں کے ظلم کا سامنا
 کیا تھا۔

اگر کوئی شخص صرف اپنے خلاف دشمنی کا مقابلہ کرے تو اُسے اتنی زیادہ تکلیف نہیں پہنچتی لیکن اگر اُس کے اہل خانہ بھی اُس کی وجہ سے متاثر ہونا شروع ہوں تو کوئی بھی عام آدمی اُس سے کمزور پڑ جاتا ہے۔ مگر یہ رسول اللہ ﷺ کی ہمت و قوت تھی کہ یہ چیزیں آپ کے قدم مبارک کو آپ کے راستے سے نہ ڈگمگاسکیں باوجود اس کے کہ آپ ﷺ نے اپنے دوستوں اور گھر والوں کو کفار کی طرف سے ستایا جائے دیکھا۔

اُس زمانے میں لوگ اللہ کے حبیب کے مقام کو نہیں سمجھتے تھے حالانکہ تھوڑے ہی عرصے بعد انہوں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لیا کہ وہ جنہیں صادق اور امین کہا جاتا تھا وہ کسی طرح بھی ایک عام آدمی نہ تھے۔ آپ حقیقت میں اللہ کی رحمت تھے جو پوری کائنات پر برسائی گئی۔ بہت جلد لوگوں کو احساس ہوا کہ یہ نام محمدیؐ ہے جس سے سورج کو تمازت ملتی ہے اور چاند کو اُس کی چاندی۔ یہی وہ نشہ ہے جس سے پودے اور درخت مستی میں جھومتے ہیں اور شرابی (نشہ میں) پُجور ہوتے ہیں شراب کی وجہ سے نہیں بلکہ عشقِ نبی کی شدت کی وجہ سے جو ہر ایک

عاشق کے دل میں خُمار لاتی ہے۔ اُنہیں اس کا احساس ایک ایسے انداز سے ہوا کہ اگر وہ اَبَد تک رُسول اللہ ﷺ کے مقام کا تجزیہ کرتے رہیں گے لیکن پھر بھی اُنہیں ہمیشہ یہ احساس رہے گا کہ معاملہ اس سے کہیں بڑھ کر ہے جتنا کہ دیکھا اور سمجھا جاتا ہے۔

اس دنیا میں رُسول اللہ ﷺ نے کبھی بھی مشکلات یا سختی کے باعث اپنا حُدف نہیں چھوڑا۔ شعبِ اِبی طالب میں شیرِ خوار بچوں کا رونا آپ ﷺ کو اپنے مقصد سے ہٹا نہیں سکا تھا اور نہ ہی آپ ﷺ کے اور آپؐ کے گھرانے کے سَرور پر منڈلاتی تلواروں کا خوف آپ کو اُس عزم سے ہٹا سکا جس سے آپ اللہ کے پیغام کو پھیلا رہے تھے۔ ہر زندہ دل میں اللہ کا نور پہنچانا، ہر زبان کو ذکرِ اللہ کی مٹھاس سے آگاہ کرنا اور آپ ﷺ کی اُمت کے ہر ایک فرد کو جنت کی نعمتوں تک پہنچانا آپ ﷺ کا واحد مقصدِ حیات تھا۔ یہی وجہ تھی کہ جب طائف کے لوگوں نے کہا: ”خدا کو تیرے سوا رُسول بنانے کو کوئی نہ ملا؟“ (نعوذ باللہ) اور اللہ تعالیٰ قرآن میں فرماتے ہیں: ”اور بولے کیوں نہ اُتارا گیا یہ قرآن اِن دو شہروں (مکہ اور طائف) کے کسی

بڑے آدمی پر "حتیٰ کہ اُس وقت بھی آپ ﷺ کی زباض سے اُن کے لئے کوئی بدعا نہیں نکلی تھی۔ طائف میں آپؐ پر اس قدر سختی کی گئی تھی کہ حضور ﷺ کے نعلین مبارک اُن زخموں سے نکلنے والے خون سے بھر گئے تھے جو اہل طائف کی سنگریزی کا نتیجہ تھے۔ اُس وقت اللہ تعالیٰ نے پہاڑوں کے فرشتے کو بھیجا کہ وہ جا کر حضور ﷺ سے کہیں کہ: "اگر آپ کہیں تو دونوں پہاڑوں کو (جن کے درمیان طائف واقع تھا) اُن لوگوں پر اُلٹا دوں اور وہ پس جائیں۔" لیکن رسول اللہ ﷺ نے اُسے قبول نہیں کیا اور فرمایا: "اُمید ہے آئندہ اُن میں ایسے لوگ پیدا ہوں گے جو صرف خدائے واحد کی عبادت کریں گے اور دین اسلام کی خدمت کریں گے۔"

جب کسی مومن کا دل غم اور اُداسی میں ہوتا ہے اور وہ کہتا ہے: **حَسْبُنَا اللّٰهُ وَنِعْمَ الْوَكِيْلُ**: پھر رب تعالیٰ جَلَّ جَلَالُهٗ، جواب دیتا ہے: "اے میرے بندے! میں یہاں تمہارے لئے موجود ہوں۔ میرے پاس آؤ۔" تو اُس رات جب اللہ کے حبیب اُمّ ہانی کے گھر میں لیٹے ہوئے تھے جبکہ آپ کی آنکھیں اشکوں سے پُر تھیں اور جب آپ کا دل یہ کہہ رہا تھا: "میرے لئے میرا

اللہ ہی کافی ہے۔“ اُس وقت ایک وجود جواب دے رہا تھا:

”اے میرے محبوب! میں یہاں آپ کے لئے موجود ہوں،

میرے پاس آئیے!“ تو یہ آدھی رات کا وقت تھا جب

آسمان سے ایک بارات نیچے اُتری اور جب حضرت جبرائیلؑ

یہ بارات لے کر آئے جنہوں نے رسول اللہ ﷺ کی پاکیزہ

روح کو بوسہ دیا اور آپ سے بڑی نرمی سے کہا کہ آپ اُن

کے ساتھ چلیں، سائیکے آسمانوں اور اُن سے بالاتر کی طرف۔

یہ مقام مصطفیٰ دُنیا کو اُس وقت دکھایا گیا تھا جب

آپ ﷺ جسمانی طور سے اِس دنیا میں موجود تھے۔ یہ مقام

تو بس عروجِ مصطفیٰ کی ایک جھلک تھی دنیا کے لئے کہ وہ

دیکھیں کہ پوری کائنات رسول اللہ ﷺ کے پائے مبارک کے

نیچے ہے (یعنی، زیرِ پائے مصطفیٰ ہے۔) کون بھلا اللہ کے

دلبرِ مصطفیٰ ﷺ کے مقام کو جان یا سمجھ سکے گا!

یہی وجہ ہے کہ لمحوں میں یا ہو سکتا ہے ایک لمحے

سے بھی کم وقت میں یہ پورا سفر طے ہو گیا تھا۔ وقت انسان

کے لئے ایک رکاوٹ ہے مگر وقت اُن لمحات کا حساب

نہیں رکھ سکا جو اللہ کے محبوب نے وصالِ محبوب میں

گزارے تھے۔ یہ ایک حقیقت ہے کہ اُس دن گھڑیوں

کے کانٹے رُک گئے تھے اور اللہ کے عاشق کے قدموں
 تلے فاصلے سمٹ گئے تھے۔ یہ براق کی خوش نصیبی تھی کہ وہ
 آج تک اُن مبارک لمحات پر نازاں ہے جب اللہ کے
 دلربا نے اُس پر سواری کی تھی اور اپنے وجود سے اُسے
 رحمت بخشی تھی۔ یہ مسجد اقصیٰ تھی جہاں یہ سواری نیچے اُتری
 تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نماز کی امامت فرمائی جس کے مقتدی
 وہ تمام انبیائے کرام تھے جو کبھی بھی مبعوث کئے گئے ہوں۔
 یہ تھا مقامِ مصطفیٰ، شاہِ کائنات اور کون وزماں کا۔

۷ یادِ شبِ اسرا سے جو سینہ میرا چمکا
 آنکھوں میں پھری شعلہ بجاں مسجدِ اقصیٰ

جس ارضِ مقدس پہ خداوندِ جہاں نے
 سرکارِ کونبیوں کی امامت سے نوازا

جس خاک سے آفا میرے پہنچے بر قوسین
 طے کرتے ہوئے عرصہ گز عرشِ معلیٰ

نماز کی اس جماعت کے بعد حضرت جبرائیل تشریف
 لائے اور نبیؐ آخر الزماں کو دو پیالے پیش کئے (ایک میں
 شراب اور دوسرے میں دودھ تھا) اور کہا ان میں سے
 جو جی میں آئے چن لیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دودھ کا پیالہ

چُن لیا جس پر فرشتے نے کہا: ”آپ نے اپنی اُمت کھلے
فطرت کو چن لیا۔ اگر آپ دوسرا پیالہ چُن لیتے تو آپکی اُمت
گمراہ ہو جاتی۔“

معراج ایک واقعہ ہے جس سے مقامِ مصطفیٰ کی ایک
جھلک دکھائی دیتی ہے۔ اس میں اُمت کے لئے کئی سبق
بھی ہیں۔ یہ اُن کو بتاتا ہے کہ: اگر آپ خود کو قدرتی طریقوں
کے ساتھ وابستہ رکھیں گے تو اُس میں آپکی نجات ہے۔
زندگی میں قدرتی طریقوں میں پاکیزگی اور سادگی ہے۔ قدرتی
طریقے سب سُنّتِ والے طریقے ہیں جو آپ کے نبی کریم ﷺ
نے آپ کو سیکھائے ہیں۔

معراج نے رسولِ پاک ﷺ کا عروج دکھایا آسمان
تک اور اُس سے بھی آگے۔ اسی معراج نے اُمت کھلے
ایک راہ پیدا کی، اس نے دکھا دیا کہ ایک مومن کی پرواز کی
کوئی حد نہیں ہے۔ یہ ارض و سماء سے آگے ہو سکتی ہے اگر
اُس کا حَافِظِ غیب کی دُنیا ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے حضرت جبرائیل علیہ السلام کے ساتھ
سات (۷) آسمانوں میں پرواز کی۔ پہلی منزل پر آپ کی ملاقات
حضرت آدم علیہ السلام سے ہوئی، دوسری منزل پر حضرت یحییٰ علیہ السلام

اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے ، تیسری منزل پر حضرت یوسفؑ سے اور چوتھی منزل پر حضرت ادریس علیہ السلام سے ہوئی۔ پانچویں پر حضرت ہارون علیہ السلام سے ، چھٹی پر حضرت موسیٰ علیہ السلام سے اور ساتویں پر حضرت ابراہیم علیہ السلام نے آپ کا خیر مقدم کیا۔ ان ملاقاتوں کا مقصد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے دل کو قوت فراہم کرنا تھا۔ اس سے اُمت کو یہ بھی دکھایا کہ اللہ کے ہر دین کے بجا ہر بھی اسلام میں موجود ہیں۔ اسلام وہ دین ہے جس کی تعلیم حضرت آدمؑ نے دی ، اُس کے بعد حضرت عیسیٰؑ نے دی اور آخر میں حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے دی۔ یہ انسانیت کا دین ہے ، اس دُنیا کا واحد سچا دین۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مطابق : ”اُس کے بعد مجھے سرحد پر سدہ کے درخت کے پاس لایا گیا جس کے پتے ہاتھی کے کان جتنے بڑے تھے اور اُس کے میوے پانی کے جھاگ جتنے بڑے تھے۔ پھر اُس کو امیرِ الہی سے ڈھانکا گیا اور اُس اُلوہی چادر کے باعث وہ بدل گیا تاکہ کوئی مخلوق اُس کی خوبصورتی کو بیان نہیں کر سکے۔ اللہ نے جتنا چاہا وہ مجھ پر ظاہر فرمایا۔“ کئی ایسی چیزیں ہیں جو معراج کے بارے میں ظاہر نہیں ہوئیں کیونکہ عام لوگوں کے دل ایسے معاملات کی گہرائی کو نہیں پہنچ سکتے۔

حضرت عبداللہ ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کردہ ایک اور حدیث میں ایک واقعہ کا ذکر ہے جو ایک عاشق اور اُس کے معشوق کے درمیان کا احوال درج ہے۔ یعنی رسول ﷺ اور اُن کے رب کے درمیان۔ اس حدیث کے مطابق حضور ﷺ فرماتے ہیں کہ: ”میں نے ایک عظیم چیز دیکھی جس کو زبان بیان نہیں کر سکتی اور جو تصور میں آ نہیں سکتی۔ میری نظر اُس کے قریب اس قدر اُلجھی کہ مجھے اپنی بینائی کے ذائل ہونے کا خدشہ ہوا اس لئے میں نے اپنی آنکھیں بند کر لیں اور اللہ پر بھروسہ کیا۔ جب میں نے اپنی آنکھیں بند کیں تو اللہ نے میری بینائی میرے دل میں بحال کی اور میں نے اُس کو اپنے دل کے ذریعے دیکھنا شروع کیا جو کچھ میں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا تھا۔ میں نے ایک نور کو چمکتا دیکھا اور جو جاہ و جمال میں نے اُس کا دیکھا وہ آپ پر ظاہر کرنے سے مجھے منع کیا گیا۔ میں نے اپنے رب سے گزارش کی کہ وہ مجھے دل کی بینائی کا وہ استحکام عطا کرے تاکہ وہ مجھ پر اپنی نعمتیں تمام کر دے۔ میرے رب نے ایسا ہی کیا اور وہ نعمتیں مجھے عطا کر دیں اور میں نے اُس کو اپنے دل سے دیکھا اُس وقت تک جب تک کہ اُس نے اُسے مستحکم کر دیا۔“

جب وہ میری طرف جھکا اپنی کلامِ مُبتدی سے۔
 سُبحان اللہ۔ اُس نے میرے کندھوں کے درمیان اپنا ہاتھ
 رکھا تو میں نے اُس کی اُنگلیوں کی ٹھنڈک کو کچھ دیر کیلئے
 اپنے دل پر محسوس کیا۔ اس کے ساتھ ہی میں نے اُس کی
 مٹھاس، اُس کی خوبصورت خوشبو، اُس کی ٹھنڈی لذت اور
 اُس کے فراخ تصور کو محسوس کیا۔ وہ تمام خوف جو مجھے آ رہا
 تھا وہ سب ختم ہوا۔

میرے ربِّ ذوالجلال و سُبحانہ نے مجھ سے خطاب
 کیا اور پوچھا: ”کیا آپ جانتے ہیں کہ آسمانی میزبان کیا
 بات چیت کرتے ہیں؟“ میں نے عرض کیا: ”میرے ربِّ!
 آپ اس بارے میں اور سب معاملات میں بہتر جانتے
 ہیں۔ آپ ہی وہ واحد ذات ہیں جو نظر نہ آنے والی چیزوں
 کے بارے میں جانتے ہیں۔“ اُس نے فرمایا کہ: ”وہ اقدامات
 (درجات) اور نیکیوں کے بابت بات چیت کرتے ہیں۔“

میں نے عرض کیا: ”میرے ربِّ! آپ نے حضرت
 ابراہیم علیہ السلام کو اپنا گہرا دوست (خلیل) بنایا۔ آپ نے موسیٰؑ
 کو کلیم اللہ بنایا اور اُن سے رازداری میں بات کی۔ آپ
 نے ادریس علیہ السلام کو بلند مقام عطا فرمایا، حضرت سلیمان علیہ السلام

کو وہ بادشاہت عطا کی کہ اُنکے بعد کسی کو نصیب نہ ہوئی۔
 آپ نے داؤد علیہ السلام کو زبور عطا کی۔ اے میرے رب!
 میرے لئے کیا رکھا ہے آپ نے؟“ اُس نے جواب دیا :
 ”اے محمد صلی اللہ علیہ وسلم! میں نے آپ کو اپنے محبوب کے طور چُن
 لیا ہے جس طرح کہ میں نے ابراہیم علیہ السلام کو چُننا تھا۔ میں
 نے آپ سے اُسی طرح بات کی جس طرح موسیٰ علیہ السلام سے
 مکی براہِ راست۔ میں نے آپ کو فاتحہ عطا کیا ہے سورہ بقرہ
 کی مہروں کے ساتھ جو میرے عرشِ عظیم کے خزانوں سے تعلق
 رکھتے ہیں۔ میں نے یہ چیزیں آپ سے پہلے کسی نبی کو نہیں
 دی ہیں۔ میں نے آپ کو زمین کے تمام انسانوں کے لئے
 بھیجا ہے۔ گورے، سیاہ، سُرخ مائل لوگوں کے لئے، جنوں
 کے لئے اور انسانوں کے لئے۔ میں نے ان سب کے لئے
 اس سے پہلے کوئی ایک رسول نہیں بھیجا۔ میں نے دنیا اُس
 مکی زمین اور سمندر کو عبادت کے لئے پاک بنایا آپ کے
 لئے اور آپ کی اُمت کے لئے۔“ اُس کے بعد اُس نے
 مجھ سے اُن معاملات کے بارے میں بتایا جن کا ظاہر کرنا
 میرے لئے ممنوع ہے۔“

یہ تھا مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا۔ محمد مشقیؒ فرماتے

ہیں کہ ”میں نے اپنے شام کے اُستادوں میں سے ایک سے پوچھا کہ: ”کیا کسی اور نبی کا مرتبہ رسول اللہ کے مرتبے کو چھو سکتا ہے؟“ اُس نے جواب دیا کہ: ”نہ کوئی فرشتے اور نہ ہی کوئی نبی رسول اللہ ﷺ کے مرتبے کی ہمسری کر سکتا ہے۔ اُن کے مراتب کس طرح آپ ﷺ کے مرتبے کو پہنچ سکتے ہیں جب کہ آپ ﷺ اللہ کی حضوری میں ہیں اور اُس کے مشاہد ہیں؟ قرآن میں ہے کہ: ”آپ ﷺ دو کمانوں کے فاصلے پر تھے یا اُس سے بھی کم فاصلے پر“ ⑨ اور دل جو دیکھتا ہے اُس کے بارے میں جھوٹ نہیں بولتا۔“ ⑩

(سورة النجم : ۱۱ - ۹)

اے اُمتِ محمدی! اللہ کے محبوب کے مرتبے اور مقام کا تجزیہ بھلا کون کر سکتا ہے؟ اس کا تجزیہ ہو ہی نہیں سکتا کیونکہ ہرگزرتے لمحے کے ساتھ اس میں اضافہ ہو رہا ہے۔ کیا خوش نصیبی ہے اُن کیلئے جو آپ کی اُمت ہیں، بس صرف اُنکو اس کا احساس ہو سکے۔ معراج تو صرف رسول اللہ کی ایک جھلک ہے کہ وہ اپنے خالق کے کتنے قریب ہیں۔ معراج وہ راستہ ہے جو اُمتِ محمدی کے لئے بنایا گیا ہے، اور اُن سب کیلئے ایک پیغام ہے جو اپنی زندگی میں اللہ کے حبیب ﷺ کے

قدم مبارک کے پیچھے چل رہے ہیں۔

پیغام یہ ہے کہ اگر زندگی کے مصائب و مشکلات کو صبر اور توکل سے برداشت کیا جائے تو اس سے آپ کو کئی انعامات ملیں گے مگر اُس میں سب سے بڑا انعام قربِ الہی ہے جو رسول اللہ ﷺ اپنی اُمت کے ہر فرد کے لئے چاہتے تھے۔

تو اپنی زندگی میں بلندی کی طرف جانیے۔ حضرت محمد مصطفیٰ ﷺ کے نقشِ پا کی پیروی کرتے ہوئے سدرۃ المنتہیٰ کی حدوں سے آگے بڑھیے اور اُس قربت کو حاصل کیجئے کیونکہ آپ کے رسولِ پاک ﷺ وہ راستہ آپ سب کے لئے کھول چکے ہیں۔

اے اللہ کریم! شبِ معراج کو ہم سب کیلئے نیک اور خوش قسمت بنا اور ہماری دُعاؤں کو اپنی مقبول دُعاؤں میں شامل فرما۔

آمین!

ثمَّ آمین۔



حضرت خواجہ شاہ محمد افضل سرکار رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جس نے سات (۷)، آسمانوں کو پیدا کیا اور ان سات (۷) آسمانوں میں اپنے کئی راز رکھ دیئے۔ وہ جن کی نسبت اللہ سے ہے، جانتے ہیں کہ اللہ کوئی بھی کام بغیر کسی مقصد کے نہیں کرتا۔

دُرود و سلام شمع رسالت پر، چراغ التالکین پر، اُن پاکیزہ دل والے نبی ﷺ پر جن کو اُن کے رب نے وہ علم عطا کیا ہے جو اللہ نے انہیں دینا چاہا اور جو ہمیشہ اللہ کے انتہائی فرمانبردار بندے ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی اُن سب کے لئے جنہوں نے صراطِ مستقیم پر سختی سے جمے رہنے کا پکا وعدہ کر رکھا ہے اور اس میں کوئی شک نہیں کہ یہ وعدہ اُنکی زندگی کا بہترین وعدہ ہے۔

سمندر بھی اللہ کے رازوں میں سے ایک راز ہے۔ یہ بہت بڑا اور بہت ہی گہرا ہے لیکن اس کی سطح سے یہ ظاہر

نہیں ہوتا کہ یہ کتنا گہرا ہے اور نہ ہی کوئی اس کے خزانوں کی
 مقدار کو جانتا ہے جو اس کی تہہ میں پوشیدہ ہیں۔ سمندر سطح
 پر پُرسکون ہو سکتا ہے لیکن اُس کی یہ خاموشی لمحوں میں
 طوفان میں بدل سکتی ہے۔ یہ دُنیا میں زندگی کا ایک چشمہ
 ہے۔ اس کی نم ہوا مُردہ زمین پر بارش برسا سکتی ہے جس
 سے وہ دوبارہ زندہ ہو جاتی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ آپ کے خیال
 میں آپ صرف سمندر کے ساحل پر کھڑے ہو کر سمندر کو
 جان سکتے ہیں۔ لیکن دراصل صرف وہ ہی اس کو جان سکتے
 ہیں جن میں اُس میں غوطہ لگانے کی ہمت ہے اور اس کی
 گہرائی تک جانے کی جُرأت ہے۔ صرف یہی لوگ حقیقتاً
 اُس سے فائدہ اُٹھاتے ہیں اور صرف اُسی وقت خزانوں کے
 صندوق کھلتے ہیں اور اُس کی موتیاں اور مَر جان اُس شخص کے
 لئے موجود ہو سکتے ہیں۔ سچی کہ وہ لوگ بھی جو اس کی گہرائی میں
 غوطہ لگانا نہیں چاہتے لیکن پھر بھی اُس کے پار جانے کے
 خواہش مند ہیں، وہ بھی ایک مضبوط کشتی کے ذریعے اپنی منزل
 تک آسانی سے پہنچ سکتے ہیں۔ سمندر کی موافق ہوائیں اس
 سفر کو نہایت آسان بنا دیتی ہیں۔

اسی مثال کو اللہ کے کسی بھی ولی کیلئے دیا جاسکتا ہے۔

ولی اللہ، اللہ کا دوست ہے۔ یہ وہ مبارک ارواح ہیں جن کے لئے قرآن میں کہا گیا ہے کہ: "سُن لُو، بے شک اللہ کے ولیوں پر نہ کچھ خوف ہے اور نہ کچھ غم"۔ ولی بالکل ہی ایک سمندر کی طرح ہے، اتنا وسیع اور اتنا گہرا۔ اُس کے قلب میں خزانے چھپے ہوئے ہیں لیکن وہ صرف اُن لوگوں کے لئے ہیں جو (اُس ولی) کے قلب کی گہرائیوں میں غوطہ لگاتے ہیں اور جن کے دل میں اُن جواہرات کو پانے کی آرزو ہو۔ یہ صرف وہی لوگ ہو سکتے ہیں جو اُس ولی کے دامن سے زیادہ وابستہ رہیں گے اور جو وہ فرمائیں گے اُس پر عمل کریں گے وہ اُنکے ارشادات کو جمع کریں گے غوطہ خور کی طرح جو بڑی احتیاط سے سمندر کی تہ سے موتی چنتے ہیں۔ ولی سب کیلئے ہوتے ہیں، اُن سب کے لئے جو دوسرے کنارے کی جانب سفر کرتے ہیں۔ سمندر کی موافق ہوا اُن کی مدد کرتی ہے اور اسی طرح ایک ولی کی رہنمائی آسانی پیدا کرتی ہے۔ یہ سمندر کی نرم ہوا کی طرح ہیں جو تمام مخلوقات کو اُن کے سفر حیات میں مدد فراہم کرتے ہیں۔ ولی ایمان کی کشتی کو مضبوط کرتے ہیں، لیکن جب باطل قوتوں کا سامنا ہو تو پھر یہ طوفانِ باد و باران بن جاتے ہیں۔ ایک ایسا طوفان جو اپنے زورِ ایمان سے ایسی

مشکلات کو تہس نہس کر ڈالتے ہیں۔ تو ہم کہہ سکتے ہیں کہ اللہ
کے دلی ایسے ہیں :

ے جسم مسجد ہے ، دل قبلہ
سازگار اُن کو بزمِ خلوت ہے

آپ محراب ، آپ ہی منبر
اُن پر روشن ہر ایک حقیقت ہے

موجزن ان کے دیدہ و دل میں
نورِ سرچشمہ ہدایت ہے

حضرت افضل سرکار رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: ”فقیر کی نگاہ
میں ہر عالم ، ہر وقت پیش نظر ہوتا ہے۔ فقیر زمان و مکان کی
زنجیروں کا پابند نہیں ہوتا بلکہ اللہ تعالیٰ نے زمان و مکان کو
فقیر کے دستِ قدرت میں دے دیا ہے اور فقیر جب
چاہے اور جہاں چاہے وہاں اُس کی دست رس ہوتی ہے۔
فقیر کو اللہ تعالیٰ کی طرف سے مکاشفہ غیبی عطا ہوتی ہے، وہ
اس عالم میں رہتے ہوئے بھی عالمِ آخرت کی خبر رکھتا ہے۔“
یہ الفاظ اُس ہستی کے ہیں جنہوں نے اپنی آنکھیں
اولیاءِ کرام میں کھولیں، جن کی پرورش اولیاءِ کرام کے درمیان
ہوئی اور جن کا نورِ قلب ایک دلی کا نور تھا : یعنی

خواجہ خواجگان ، قطبِ العالم ، فقیرِ بے بدل ، فقیرِ بے مثال ،
 فقیرِ محمدی ، حضرت خواجہ شاہ محمد افضل ، قادری ، چشتی ، صابری ،
 نظامی ، قلندی رحمۃ اللہ علیہ وہ دلی اور سلسلہ چشتیہ ، صابریہ ، عارفیہ ،
 نوریہ کے مُرشد تھے ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ وہ فلک تھے جن کے سائے
 میں پھل دارِ درخت پروان چڑھتے ہیں اور باغِ بہار سے
 مسحور ہوتے ہیں ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی موجودگی آپ کے عاشقین
 کے درمیان ایسی تھی جیسے کہ تشنہ لبوں کے لئے یخ بستہ پانی ۔
 آپ رحمۃ اللہ علیہ وہ سورج ہیں جن کے گردِ دل والے طوافِ محبت
 کرتے ہیں ۔ آپ وہ ذاتِ واحد تھے جنہوں نے کئی اندھیرے
 دلوں کو روشنی عطا کی جن سے کئی ناشاد ارواح کو اُمید کی
 کرن نصیب ہوئی اور جو راہِ مستقیم پر چلنے والوں کیلئے ایک
 قوت تھے اور ہیں ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ وہ سمندر ہیں جو خزانوں سے
 لبریز ہے ، بہت ہی پُر اسرار ، پھر بھی اُن کے لئے موجود جو
 محبت کا سبق سیکھنے کے خواہشمند ہیں ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے اس
 دُنیا میں اپنے عرصہٴ حیات میں محبت پھیلانی کیونکہ آپ
 اُس مبارک ہستی کے خاص الخاص شاگرد تھے جنہوں نے دُنیا
 کو محبت کرنا سکھایا تھا ۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے
 پیارے اور قرب والے تھے اس لئے کہ آپ خود سُرِدگی

جانتے تھے، یعنی اپنے محبوب کے قدموں میں زندگی کا نذرانہ
پیش کرنا جانتے تھے۔ اس لئے، اس میں حیرت نہیں جب
عاشقانِ افضل کہتے ہیں کہ:

عالمِ حسن میں کیتا ہے، ترا جلوہٴ نور

ماہِ تاباں کی قسم، مہرِ درخشاں کی قسم

رنجِ راحت ہے، سکونِ غمِ ہجران کی قسم

یادِ جاناں کی قسم، جلوہٴ جاناں کی قسم

تجھ کو مخمور جو دیکھا ہے، تو اے پکیہ ناز

مست ہم بھی ہیں، تیری مستی لہزاں کی قسم

حضرت شاہ محمد افضل رحمۃ اللہ علیہ عاشقِ الہی تھے، عاشقِ

رسول تھے، عاشقِ اہل بیت اور عاشقِ اولیاء و بزرگان تھے۔

یہ آپ کی آتشِ عشق تھی جو ہمہ وقت جلتی رہتی تھی۔ اس کی

تپش اتنی شدید تھی کہ جو بھی اُن کے سامنے آتا وہ اپنے

دل میں یہ چنگاریِ عشق لئے ہی واپس لوٹتا۔ یہ تھی تعلیم جو

آپ نے دنیا کو دی۔ آپ فرمایا کرتے تھے: "عزیزانِ من! جب فقیر

کے پاس جاؤ گے تو آتشِ عشق بڑی زبردست چیز ہے۔ اُس کے

قرب جاتے ہی وہ ایک چنگاری اندر پھینک دیتا ہے۔ یہ

ہمارے بنگلے کے سامنے کچرے کا جو ڈھیر لگا ہوا ہے، کبھی کبھی

جب میں باہر نکلتا تھا تو اُس میں سے دھواں نکلتے
 دیکھتا تھا۔ پتہ چلتا کہ میونسپل کمیٹی ولے اُس کے بیچ میں آگ
 پھوڑ گئے ہیں۔ بس وہی بات ہے۔ آپ فقیر کے پاس گئے،
 اُس نے دیکھا کہ گندگی کس قسم کی ہے؟ کس نوعیت کی ہے؟
 کتنی آگ مانگتی ہے؟ بس اُسی کے مطابق آگ چھوڑ دیتا ہے۔
 حضرت صاحبؒ کی زندگی ذکرِ الہی پر مشتمل تھی۔ آپ
 کے دن کا آغاز ذکر سے ہوتا اور آپ کی رات ذکر پر ختم
 ہوتی۔ ذکر وہ آتش تھی جو آپ اپنے چاہنے والوں اور
 وفاداروں کی طرف بڑھا دیتے تھے۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ
 کے حجرے شریف کے سامنے درخت تھے جن پر کئی قسم کے
 پرندے آباد تھے۔ اُن کی چھپاہٹ سے حضرت صاحب رحمۃ اللہ
 کے دل کو خوشی و طمانیت ملتی۔ جب کبھی حضرت صاحب رحمۃ اللہ
 کی توجہ اُن پرندوں کے ذکر کی طرف مبذول ہوتی تو پرندوں
 کی چھپاہٹ دھیمی پڑ جایا کرتی تھی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ
 پرندے بھی آپ رحمۃ اللہ کی توجہ کی روحانی شدت کو برداشت
 نہیں کر پاتے۔ ذکر کو برداشت کرنا بھی فقیر کی عطا ہے۔
 اس لئے جب کبھی پرندوں کی چھپاہٹ کم ہو جاتی تو حضرت
 صاحب رحمۃ اللہ اپنی توجہ کسی دوسری جانب موڑ دیتے تاکہ

پرندے پریشان نہ ہوں۔

ایک مرتبہ ایک دلچسپ واقعہ ہوا۔ شروع میں جب کبھی حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ اپنے حجرے شریف کے ٹیریس پر جا کر تشریف رکھتے تو کوئے بہت زیادہ شور مچایا کرتے تھے مگر ایک شام جب حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ ٹیریس پر نمودار ہوئے تو آپ نے ایک جلالی نظر کوؤں کی جانب ڈالی تو تمام کوئے ایک صف میں باادب بیٹھ گئے ذرا سی آواز نکالے بغیر۔ ایک کوؤا بھی اپنی جگہ سے نہیں ہلا۔ جب آپ سے پوچھا کہ یہ کیا ہوا تو آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”رابعہ! آج ہم نے کوؤں کے بادشاہ سے کہہ دیا ہے کہ آج کے بعد ہمیں پریشان کیا تو تمہاری ساری نسل کڑوہ ارض سے ہمیشہ کے لئے ختم کر دی جائے گی“ وہ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ کے سامنے کوؤں کی بے ادبی کرنے کا آخری دن تھا۔

آپ کو معلوم ہونا چاہیے کہ دلی کا قلب نورِ الہی کا مسکن ہوتا ہے۔ جیسے کہ خود حضرت صاحب نے فرمایا:

”عزیزانِ من! اب آپ جائیں، اگر ایسا کوئی درویش بل جائے جو بغیر محنت کے آپ کا قلب جاری کر سکے تو پھر اس کا دامن نہ چھوڑیں۔ (پھر اپنے آپ کے بارے میں

بتایا کہ یہ فقیر کر سکتا ہے اور ایسے فقیر صدی میں ۲ یا ۳ ہی پیدا ہوتے ہیں۔) بزرگ تو پیدا ہوتے ہیں اور اُن کے پاس وہ ”نور“ ہے جو انہوں نے اپنے چلوں سے حاصل کیا ہے لیکن فقیری اور چیز ہے۔ فقیر یہ نہیں کہتا کہ وضو کر کے آیا ہے کہ نہیں یا فلاں کام کیا ہے کہ نہیں، کبھی اس سے پوچھا ہے؟ نہیں! وہ نہیں پوچھے گا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ وہ خود ہی ہر وقت ایک ”نور“ کے طوفان میں پڑا رہتا ہے۔ فقط یوں کر کہ چوک دیتا ہے۔ بغیر غسل کے وہ بھی ”سچ“ نہیں کرتا۔ اُس کا طریقہ دوسرا ہے۔ دل کو پکڑا اور ایک سیکنڈ میں گند نکال کے پھینک دیا اور وہ دل صاف ستھرا ہو گیا۔ اور جب وہ دل پاک ہو گیا تو پھر چوک دیا۔ یہ لوگ جو ہیں اُن کے سامنے خاک ہو جاؤ۔“

اب ایسے دل، ایسا خلوص اور ایسے خوبصورت

گیت کہاں سے پائیں گے؟

ے یار نہیں، غم خوا نہیں، ہمدرد نظر آب کوئی نہیں

کنج غم میں آپ ہی کہیے دل کو میرے بھلائے کون۔

حضرت شاہ افضل سرکار رحمہ اللہ ایک ایسے درویش

تھے جن کے دل میں کوہ نور ہیرا تھا اور جن کی تمنا تھی

کہ وہ اُس کوہِ نُور کے نُور کو اپنے تمام مُریدوں کے دلوں میں پھیلائیں کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ایک کاہل مُرشد کا نُور دراصل نورِ محمدیؐ کا عکس ہے جس میں یہ قوت ہے کہ وہ کسی بھی گناہ گار کے دل پر لگے سخت ترین داغ کو مٹا سکتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ رحمۃ اللہ علیہ فرمایا کرتے تھے کہ:

عَاصِمَانِ خَاصِ خِدَانِ بَاشِدِ

وَلِيكِن اَز خِدَا جُدَا نَ بَاشِدِ

(یعنی: ولی اللہ، خدا تو نہیں ہوتا مگر خدا سے کسی وقت جُدا بھی نہیں ہوتا۔)

اور پھر آپ فرماتے کہ: ”اے میرے بھائی! جب تجھے ولی اللہ مل جائے تو سمجھ لو کہ درحقیقت تجھے خدا مل گیا!“
 تو جب آپ کسی اہلِ دل کے پاس جاتے ہیں، یہ سمجھ لیں کہ آپ موتی بن جائیں گے۔ آپ پتھر نہیں رہیں گے۔ حتیٰ کہ مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ بھی اُس وقت تک رومی نہ بنے جب تک کہ وہ حضرت شمس تبریزی رحمۃ اللہ علیہ کے غلام نہ بنے۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت صاحبِ فرماتے تھے کہ: ”عزیزانِ من! یہ جو لطائف ہیں، ہر لطیفے کا ایک ”نور“ ہے۔ ہر لطیفے کا ایک

راز ہے۔ مُرشدِ کامل جو ہے وہ چھ (۶) لطائف جاری کر دیتا ہے۔ لیکن اتنا صبر کس کے پاس ہے کوئی عمر بھر تو نہیں لگا رہتا لیکن وہ ایک ایک، ڈو ڈو جاری کرتا ہے۔ اگر ڈو بھی جاری ہو جائیں تو یقین کر دو باقی بھی جاری ہو جائیں گے۔ سلسلے کے بزرگ جو ہیں، وہ بھی نگاہ رکھتے ہیں کہ قلب جاری ہے۔ آپ جتنے بھی ہیں، آپ سلسلے کے بزرگوں کی نگاہ میں ہیں۔“

حضرت صاحب رحمہ اللہ وہ سمندر تھے جن کی موجوں نے ہر ایک مُرید کو اٹھا کر آرام سے ساحل تک پہنچایا، یعنی اُن کے منزلِ مقصود تک۔

یاد رکھیے کہ ہر شخص کو ایک مختلف سفر کے تجربے سے گزرنا ہے۔ کچھ سفر آرام وہ ہیں جبکہ کئی سفر خاصے مشکل ہوتے ہیں۔ اگر کوئی سمجھتا ہے کہ اُسے کسی رہنمایا رفیق کی ضرورت نہیں اور اگر کوئی سمجھتا ہے کہ وہ اپنی زندگی کے مصائب کا سامنا اکیلے ہی کرنے کے قابل ہے، تو اُسے کئی صدقات اور عجائبات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا چاہیے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ زندگی اتنی آسان نہیں جتنی کہ دکھتی ہے۔ کسی کو پتا نہیں کہ کب موافق ہوئیں آندھی میں بدل جائیں

اور پانی کی پُرسکون سطح تیز طوفان میں تبدیل ہو جائے۔ اس
 طرح کے ہوتے ہیں دُنیا کے سمندر۔ لیکن اگر آپ کسی
 دلی کا دامن تھامے ہوئے ہیں اور پھر اپنی زندگی کے سفر کا
 آغاز اُنکی رہنمائی میں کرتے ہیں تو بہت جلد ہی مصائب دم توڑنا
 شروع کریں گے۔ ایسا ہونے کے لئے حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ
 نے ہمیشہ مُرید اور مُرشد کے درمیان ایسے رشتے کی تجویز پر
 زور دیا ہے جو باقی تمام دنیاوی رشتوں پر مقدم ہو۔ آپؐ
 نے ان خیالات کا اظہار ایک واقعے پر کیا تھا جس میں ایک
 مُرید کے دل میں اپنے مُرشد کی موجودگی کو اولین ترجیح قرار
 دیا گیا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
 کے مزار شریف پر حاضری دے رہے تھے جب آپ نے
 ایک شخص کو اپنی طرف آتے دیکھا۔ حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے
 ایک لمحے میں اُس کا چہرہ پڑھ لیا اور ارد گرد لوگوں سے
 فرمایا کہ: ”یہ آدمی جو یہاں آ رہا ہے، اپنے مُرشد کے عشق
 میں فنا ہے۔“ جب وہ شخص نزدیک آیا تو کہنے لگا: ”حضور!
 براہِ کرم میرے مُرشد کے لئے دُعا کیجئے۔“ تو حضرت صاحبؐ
 نے اُس کی درخواست پر ایسا ہی کیا۔ جب وہ شخص چلا
 گیا تو حضرت صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے وہاں موجود اپنے مُریدوں

کو تعلیم دی کہ: ”ہر صادق مُرید کو جس دُعا کی ضرورت ہے وہ دُعا صرف اُس کے مُرشد کے حق میں ہے۔ اس لئے کہ مُرشدِ کامل ہر وقت اپنے مُرید کے معاملات پر نظر رکھے ہوتا ہے۔ مُرید کو ہر وقت اپنے پیرِ کامل سے دُعاؤں کا فیضان ملتا رہتا ہے۔ محبت کا جواب محبت سے دیا جاتا ہے اور دُعا کا جواب دُعا سے دیا جاتا ہے۔“ آپ رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا: ”جب بھی کوئی آفت یا مشکل درپیش ہو تو کبھی کسی کے آگے ہاتھ نہ پھیلانا۔ جو بھی چاہیے، اپنے رب کے دربار میں دو رکعت نماز نفل ادا کرو اور پھر سجدے میں دُعا کرو۔ پھر دیکھو ملتا ہے کہ نہیں۔“

اے اُمتِ محمدی! رُوحانی دُنیا میں بُندی اور رُوحانی

مراتب کا دار و مدار اس پر ہے کہ سالک کے دل میں اُس کے مُرشد کا عکس کتنا صاف اور واضح ہے۔ اس دل کو پہلے توبہ کے اشکوں سے کھرچنا، پوچنا اور بالکل صاف کیا جانا چاہیے۔ پھر اُس میں آپ کے مُرشد کی شبیہ اس انداز سے آویزاں کی جائے کہ دوسرے لوگ بھی اُن کا عکس آپ کی آنکھ کی پتلی سے جھلکتا دیکھ سکیں۔ آپ کے رفتار، گفتار اور عادات آپ کے مُرشد جیسے ہوں۔ آپ کے حال اور قال سے بھی آپ کے

رہنا کی خوشبو آنی چاہیے۔ تب جا کر آپ کو اپنے مُرشد کے
 قلبِ پاک کا عکس اپنے دل میں دکھائی دے گا۔ یاد رکھیں
 کہ یہ عکسِ پاک سب سے پاکیزہ ہستی کا ہے۔ یہ عکسِ رسولؐ
 کا ہے جو ہر کامل مُرشد میں موجود ہے۔ جن کے پاس یہ خزانہ
 ہے وہ جلد ہی نبیؐ کریم ﷺ کے قلبِ پاک کا عکس دیکھ
 پائیں گے اور بلاشبہ وہاں نورِ الہی کی تجلیات کے سوا اور
 کیا ہو سکتی ہیں؟ خوش نصیب ہیں وہ جن کیلئے یہ دل کشادہ
 کئے جاتے ہیں۔ آپ کے مُرشد کی ایک مخمور سی نگاہ آسانی
 سے مُرید کے قلب کے دروازے کھول سکتی ہے

اے اُمتِ محمدی! یہ تھی حضرت شاہ محمد افضل سرکارؒ
 کی حُسنِ نگاہ، آپ کی نظرِ کرم کی رحمت۔ اللہ کی رحمتیں اُن
 پر ہمیشہ سایہ نگیں رہیں، ابد تک اور آپ رحمتِ اللہ کا سایہ ہم
 سب پر رہے قیامت تک۔

سے کیا کہے گی کسی کی نظر کچھ نہ پوچھیے
 کیا کچھ ہوا دل پر اثر کچھ نہ پوچھیے
 بھکی ہوئی نظر سے اٹھتا ہوا عاشق
 اُف! وہ نظر، وہ عشق مگر کچھ نہ پوچھیے

عارفی! دیارِ حُسن میں پہنچے ہیں مَر کے ہم
کیونکر ہوا ہے طے یہ سفر کچھ نہ پوچھیے

آمین!

تم آمین۔



شبِ بَرَات

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو تمام کائناتوں کا پیدا کرنے والا اور رب ہے۔ وہ واحد ذاتِ پاک ہے جس کی حکمرانی تمام خواہشات پر محیط ہے۔ وہ جانتا ہے کہ دلوں کے نہاں خانوں میں کیا کیا راز پنہاں ہیں۔

درود و سلام اللہ کے رسولؐ پر جو بنی آدم پر رحمتِ بیکراں ہیں اور اُن سب پر بھی جو پیدا کئے گئے ہیں اور جن کی نسبت اللہ سے ہے۔

۷

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب پر اور آپ کے پیاروں پر۔ سلامتی ہو اُن مہربان اور نرم دلوں پر جو کبھی بھی کسی کا بُرا نہیں چاہتے۔

ایک کہانی ہے جو کسی بھی عاشق کا دل پگھلا سکتی ہے۔ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ مجنوں بیمار پڑ گیا۔ اُس کے عشق کی شدت کے باعث اُس کے جسم میں خون کا دباؤ بڑھ گیا اور اُس کے گلے میں خنّاق ہو گیا۔ جب وہ طبیب کے پاس گیا تو اُس

نے بتایا کہ جسم سے خون کی زائد مقدار کو کم کرانے کے لئے
 اُسے فسد لگانا پڑے گا، اس لئے ایک ماہر فسد (لگانے
 والا) کو طلب کیا گیا جس کو مجنوں کے بازو میں کٹ لگا کر
 خون بہانا تھا۔ جس وقت مجنوں کا بازو باندھا گیا تاکہ یہ
 سب کچھ کیا جاسکے تو مجنوں نے چلانا شروع کیا۔ فسد
 لگانے والے نے حیران ہو کر کہا: ”دن بھر تو تم جنگل بیابانوں
 میں سرگرداں رہتے ہو اور تمہیں جنگلی درندوں کا بھی خوف
 نہیں۔ تو کیا وجہ ہے کہ تم ایک چھوٹے سے کٹ سے خوفزدہ
 ہو؟“ اس پر مجنوں نے کہا: ”اوسد لگانے والے! میں کسی
 کٹ سے نہیں ڈرتا، میرا صبر تو پہاڑ جتنا ہے اور پھر زخم
 کھانا تو میری عادت ہے۔ ان سے تو میرے جسم کو قرار ملتا
 ہے۔ لیکن اب چونکہ میں نے خود کو فنا کر دیا ہے اور میرے
 تمام جسم میں فقط لیلیٰ کا وجود بتا ہے تو اس لئے (اب اگر)
 آپ مجھ پر کوئی (فسد) کٹ ماریں گے تو وہ کٹ دراصل لیلیٰ
 پر ہوگا۔ یہ بات تو صرف عقلمند ہی سمجھ سکتا ہے کہ اب مجھ میں
 اور لیلیٰ میں کوئی فرق نہیں ہے۔ میں کون ہوں؟ میں لیلیٰ ہوں۔
 لیلیٰ کون ہے؟ لیلیٰ تو میں ہوں۔ ہم دو روحیں ہیں جو ایک ہی
 جسم میں داخل ہوئی ہیں۔“ مارے عشق کے ڈسے، مولانا رومیؒ

کی اس حکایت کو خوب سمجھتے ہیں جس میں وہ فرماتے ہیں کہ :
 ”عاشق کا دل وہ شمع ہے جو جل اٹھنے کے لئے تڑپ رہی
 ہے۔“ ”محبوب سے جدا ہو کر وہ اُس سے دوبارہ کیجا ہونے
 کے لئے بے قرار ہے۔ آپ محبت کے بارے میں سیکھ نہیں
 سکتے، محبت کرم کے پردوں پر ظاہر ہوتی ہے۔“
 محبت، کائناتوں کا حُسن ہے۔ یہ وہ قوت کشش ہے
 جو سیاروں کو اُن کے مداروں کے گرد گھومتی ہے۔ یہ وہ ہوا
 ہے جو تمام پٹر، لپدوں کی شاخوں کو لہراتی ہے۔ محبت وہ
 پُر اثر نسخہ ہے جس کے ایک بار پینے سے مریض کے دل سے
 بیماری ختم ہو جاتی ہے، محبت خود غرض بھی ہے اور بے غرض
 بھی ہے۔ خود غرض کیونکہ اسے محبوب کی نگاہ کی روشنی کی
 ضرورت ہے۔ اس روشنی کے بغیر عاشق مرجاتا ہے۔ یہ
 بے غرض بھی ہے کیونکہ حقیقت میں ذات کا کوئی وجود ہی
 نہیں۔ صرف محبوب کا وجود ہے۔ یہی وجہ ہے کہ دائرے
 میں رقص کرنے والے درویش فرماتے ہیں: ”عاشق شب و
 روز شراب پیتے ہیں اور ذہن کے پردوں کو تار تار کرتے ہیں۔
 جب یہ شراب محبت پی چکے ہیں تو جسم، جان اور رُوح
 سب باہم مل کر ایک ہو جاتے ہیں۔“

★ کیا کوئی اور چیز با معنی ہو سکتی ہے اگر آپ سچی

محبت کے معنی نہیں جانتے ؟

جو اس معنی تک پہنچتے ہیں ، وہ گویا سچائی (حق) تک پہنچتے ہیں۔ محبت آپ کے دل کی ، آپ کے جسم کی اور آپ کی رُوح کی انتہائی شدت کا نام ہے۔ اس انتہائی شدت کے بغیر صرف مُردے جسم اپنی زندگی جی رہے ہوں گے۔

کیا آپ نے کبھی آگ کی حدت کے بغیر کوئی چیز پکائی ہے ؛ جب آپ کھانا آگ پر رکھتے ہیں اگر اُسے وقت سے پہلے اُتارا جائے یا اُسے کم گرمی پہنچائی جائے وہ کھانا کپتا رہ جائے گا۔ یہی حال آپ کے دل کا ہے۔ کچے کھانے میں کوئی لذت نہیں۔ یہی معاملہ اُس زندگی کا ہے جس میں محبت کی گرمی نہ ہو۔ کھانا اُس وقت پکتا ہے جب اُسے کافی گرمی پہنچائی جائے اور وقت گزرنے سے گرمی کی وہ مقدار کھانے کو پکا دیتی ہے۔

عام لوگ تو محبت کی گرمی کی اُس مقدار پر راضی بہ رضا ہیں جو دین و دُنیا کے لئے کافی ہے۔ وہ دونوں دُنیاؤں کو ایک ساتھ چلاتے ہیں۔ حقیقت یہ بھی درست ہے لیکن حقیقی مزہ تو صرف جل جانے میں ہے آگ کی بھلا دینے والی

گرمی سے۔ یہ جلنا صرف اُس وقت ہوگا جب آپ اِس آگ کی شدت میں اضافہ کریں گے جب اُن شعلوں کو آپ پر حاوی ہونے سے کوئی روک نہیں سکتا۔ جب آپ کی ذات اِس شدت سے جلنی شروع ہوگی تو تب ہی محبت کے شعلے آپ کو مکمل طور پر ہڑپ کریں گے۔ پھر دھیرے دھیرے وہ ”ذات“ راکھ میں تبدیل ہونا شروع ہوگی اور وہ راکھ بھی اُس آگ کا حصہ بنے گی۔ آخر میں صرف آگ ہی باقی رہ جائے گی، باقی سب کچھ ختم ہو جائے گا۔ یہ اُن دلوں کے جلنے کا حال ہے جو صرف اُن کے اللہ کے لئے بنائے گئے ہیں جنہیں اُن کے اللہ نے محبت کی تعلیم دی ہے اور اِس میں شک نہیں کہ یہ محبت ہی اُن کا واحد اثاثہ ہے۔

ہم محبت کے بارے میں بہت کچھ کہتے آرہے ہیں۔ خاص لوگ اللہ سے پوچھتے ہیں کہ: ”اے اللہ! آپ ہمیں یہ تعلیم کیوں نہیں دیتے کہ ہم آپ کی عبادت کس طرح کریں؟ عبادت کرنے اور اپنی رُوحانیت میں اضافہ کرنے کا بہترین طریقہ کیا ہے؟“ یہ ایک ضروری سوال ہے خاص طور سے اُس شخص کے لئے جس کی دُنیا صرف محبت کے گرد گھومتی ہے اور محبت ہی اُس کا شب و روز ہے۔ اِس سوال کا

جواب اُس میں ہے جو مولانا رومی رحمۃ اللہ علیہ نے ایک مرتبہ فرمایا تھا: (یعنی) ”جب میں زمین کو نماز میں چھوٹا ہوں تو میرا دوسرا کوئی مقصد نہیں مگر تو ہے اور کوئی دوسرا نہیں ہے۔ میرا باغوں کے بارے میں، بلبلوں، پھولوں اور رقص کے بارے میں میری باتیں تو محض بہانہ ہیں۔“

یہی تمام عبادات کا نچوڑ ہے۔ جب آپ اپنا سر جھکاتے ہیں اور وہ زمین سے مس ہوتا ہے تو پھر معبود اور عابد کے درمیان کوئی رکاوٹ اور حجاب نہیں ہونا چاہیے۔ جب آپ اپنے محبوب کا نام پکارتے ہیں تو یاد رکھیں کہ وہ آپ کو سُن رہا ہے۔ جب آپ رکوع اور سجدے میں جاتے ہیں، یقین جانیئے کہ وہ آپ کو دیکھ رہا ہوتا ہے۔ جب آپ اپنا دل اُس کی خدمت میں پیش کرتے ہیں تو وہ اُسے کیوں آپ سے نہ لے؟

عبادات تو دراصل اللہ کے لئے آپ کے محبت بھرے الفاظ ہیں۔ (اس لئے) وہ الفاظ سچائی اور خلوص سے ادا ہونے چاہئیں کیونکہ وہ جو سُن رہا ہے آپ کے دل کا حال جانتا ہے۔ اللہ نے جن اور انس کو اپنی عبادت کیلئے پیدا فرمائے ہیں مگر دوسری مخلوقات کے برخلاف انسان

کے پاس اپنی مرضی بھی ہے۔ اس مرضی کی وجہ سے اُسے متواتر آزمایا جائے گا۔ (یعنی) بار بار آزمایا جائیگا۔ وہ تمام مخلوقات جو اللہ کے وفادار ہیں، وہ ہر وقت اُس کی حمد و ثناء میں ہیں۔ ان کی زبانیں ایک لمحے کے لئے بھی خاموش نہیں رہتی۔ اس کے باوجود اُن کے دل مزید کا تقاضہ کرتے ہیں۔ لیکن یہ انسان بے چارے اپنے وقت کا بہترین حصہ دُنیا کے بیکار مشاغل میں برباد کرتے ہیں۔ یہ بے سود مشاغل اُنہیں کوئی فائدہ نہیں پہنچاتے پھر بھی آج کے لوگ ان کو اپنی زندگی کا واحد مقصد بنائے ہوئے ہیں۔ لیکن وہ سچے دل جو ذکرِ اللہ کی لذت سے آشنا ہیں، وہ اس لذت کو دُنیا کی کسی دوسری لذت سے کبھی تبدیل نہیں کرتے۔ وہ اُس کو جگہ جگہ اور ہر جگہ تلاش کرتے ہیں۔ اُن کے دلوں کی تسکین صرف ذکر اور دُرود میں ہے کیونکہ یہی اُن کی ارواح کی دھڑکن ہے۔

اللہ تعالیٰ نے اُمتِ محمدی کو کچھ قیمتی راتیں اور کچھ خاص دن عطا کئے ہیں جس میں اُن کے انعامات میں کئی گناہ اضافہ کیا جاتا ہے اور جس میں نہ صرف انسان بلکہ اللہ کے ملائک بھی اس ذکر میں یک زبان ہوتے ہیں۔

۱۵ شعبان کی رات بھی ایک ایسی رات ہے۔ یہ رات
 توبہ کی رات ہے؛ زندگی کے تمام گناہوں سے توبہ کرنے کی
 رات۔ کیا اللہ آپ کی زخمی ارواح کی پشیمانی کی آواز نہیں سُنے
 گا؟ یہ رات یادِ اللہ کی ہے۔ کیا اللہ اُن کی دُعائیں نہیں
 قبول کرے گا جو سچے دل سے اُسے پکارتے ہیں؟ یہی وہ
 رات ہے مانگنے کی، اخلاص اور شدتِ جذبات سے دُعا
 مانگنے کی۔ کیا اللہ اُن کی جھولیاں نہیں بھرے گا جو اپنا رُخ
 اُس کی طرف موڑتے ہیں؟ یہی ہے وہ رات اُن پاکیزہ
 لوگوں کیلئے جو اپنے مراتب میں اضافہ چاہتے ہیں اللہ کی
 رحمت کے ساتھ۔ یہی وہ رات ہے جب اللہ تعالیٰ
 زمین کے پہلے آسمان پر نزولِ اجلال فرماتے ہیں اور
 اعلان کرتے ہیں کہ: ”ہے کوئی مغفرت مانگنے والا تاکہ میں
 اُس کے گناہ معاف کروں؟ ہے کوئی رزق مانگنے والا
 تاکہ میں اُس کو رزق و روزی عطا کروں؟ ہے کوئی جو
 مصائب اور بیماری کا شکار ہو تاکہ میں اُس کی یہ سختیاں
 ختم کر دوں؟“

اُس کی یہ ندائے رحمت طلوعِ سحر تک جاری رہتی
 ہے۔ اس رات میں شافعِ محشر، رسولِ خدا ﷺ معمول

سے زیادہ اپنے رب کی عبادت کیا کرتے تھے۔ اسی رات
 کے دوران حضرت عائشہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے
 ہوئے سنا: ”اے اللہ! میرا دل، میری رُوح اور میرا جسم
 تجھ کو ہی سجدہ کرتے ہیں۔ میرا دل تجھ ہی پر ایمان لاتا ہے۔
 میں تیری نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہوں اور اپنے گناہوں کا
 اعتراف کرتا ہوں۔ میں نے اپنی جان پر ظلم کیا ہے اے
 اللہ تو مجھے بخش دے کیونکہ تیرے سوا گناہوں سے بخشنے والا
 کوئی نہیں۔ میں تیرے عذاب سے بچنے کے لئے تیری رضا
 اور رحمت کی پناہ مانگتا ہوں۔ اے اللہ! میں تجھ
 سے تیرے عذاب سے امن و حفاظت میں رہنے کی درخواست
 کرتا ہوں۔ اے اللہ! میں تیری وہ حمد و ثناء بیان نہیں
 کر سکتا جس حمد و ثناء کا تو سزاوار ہے۔ اپنی حمد و ثناء تو
 خود ہی کر سکتا ہے۔ کوئی دوسرا تیری ثناء نہیں کر سکتا۔“
 رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار پھر فرمایا: ”اے
 عائشہ! کیا تم جانتی ہو کہ یہ رات کیا ہے؟ اس رات میں
 اگلے سال کی پیدائشیں اور اموات لکھی جاتی ہیں۔ ہر ایک
 پھلے رزق تقسیم کیا جاتا ہے۔ اس رات میں اللہ تعالیٰ اپنے
 بندوں کو دوزخ کی آگ سے نجات دے گا اور اس طرح

لوگ جنت میں اتنی تعداد میں داخل ہوں گے کہ جتنے بنو کلب کے بکروں کے بال ہیں۔“

رسول اللہ ﷺ کا ارشاد ہے کہ: ”جبرائیل علیہ السلام میرے پاس آئے اور عرض کی: ”یا رسول اللہ! باہر تشریف لا کر آسمان ملاحظہ فرمائیے۔ میں نے آسمان کو دیکھا کہ اُس کے دروازے کھلے ہیں اور منادی ندا کر رہا ہے، ”خوشخبری ہے اُس شخص کے لئے جو اس رات (یعنی شب برأت) میں نیک عمل کرے۔ جو اس رات میں رکوع کرے۔ خوشخبری اس کے لئے جو اس رات سجدے کرے۔ خوشخبری ہے اس کے لئے جو اس رات روئے، گڑگڑائے اور دعائیں مانگے،“ حضور ﷺ نے فرمایا: ”جبرائیل! یہ ندائیں اور بخشش کب تک ہوتی ہیں؟“ جبرائیل علیہ السلام نے عرض کی: ”یا رسول اللہ! یہ ندائیں فجر طلوع ہونے تک جاری رہتی ہیں۔“

جب کوئی خاص رات آتی ہے تو آپ کو خاص نماز یعنی صلوٰۃ نوریٰ ضرور پڑھنی چاہیے۔ رسول اللہ ﷺ بھی شب برأت میں ۱۴ رکعت نفل اس طرح پڑھا کرتے کہ بعد آخری سلام آپ ﷺ ۱۴ بار سورۃ الفاتحہ، ۱۴ بار سورۃ الاخلاص، ۱۴ بار سورۃ الناس، ایک آیت الکرسی اور پھر

یہ آیت، ”لَقَدْ جَاءَكُمْ رَسُولٌ مِّنْ أَنْفُسِكُمْ عَزِيزٌ عَلَيْهِ مَا عَنِتُّمْ حَرِيصٌ عَلَيْكُمْ بِالْمُؤْمِنِينَ رَؤُوفٌ رَّحِيمٌ ۝ (توبہ ۱۲۸) پڑھتے تھے۔ جو لوگ یہ سب پڑھتے ہیں انہیں ۲۰ مقبول حجوں کا ثواب، ۲۰ سال کے روزوں کے ثواب سے نوازا جائے گا اور اگر کوئی اس کے اگلے روز روزہ رکھے گا اُسے ۲ سال کے روزوں کا ثواب ملے گا۔

اے اُمتِ محمدی! تمام عبادتیں خاص ہیں اگر انہیں سچے دل سے کیا جائے۔ بس شوق کی ہانڈی کے نیچے محبت کا شعلہ بڑھائیے، اُس میں اپنے ذکر کی شیرینی اور دُرود شریف کی خوشبو ملائیے۔ پھر اُس میں توبہ اور ندامت کے اشک ملائیے، پھر یقیناً آپ جلد ہی دیکھیں گے کہ آپ کی رُوح کے لئے غذا تیار ہوگی۔ اپنی تمام عبادات میں محبت کا جوہر ملائیں اور بہت جلد آپ کو محبت کے گیت اونچی آواز میں سنائی دیں گے جو آپ کی رُوح کی گہرائی سے نکلیں گے۔

اے اللہ کریم! شبِ برأت کے موقع پر ہم سب کو نیک اور خوش قسمت بنا اور ہماری ٹوٹی پھوٹی عبادات اور دُعاؤں کو اپنی مقبولیت عطا فرما۔

ہمیں اپنی مغفرت اور اس خصوصی راست کی

رحمتوں سے نواز دے۔

آمین!

ثم آمین۔



حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو امان دیتا ہے،
جو رحیم ہے اور رحمان ہے اور بے شک اُس جیسا کوئی
نہیں ہے۔

دُرود و سلام، رحمتِ کائنات پر۔ شفیق اور رؤف
الرحیم نبی پر جن کی مسکان سے سورج جگمگاتا ہے اور جو
دھنک کو رنگ فراہم کرتی ہے۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں ہوں آپ سب پر اور آپ
کے پیاروں پر۔ سلامتی ہو پاکیزہ دلوں اور اطاعت گزار ارواح
پر جو اللہ کی راہ پر چل رہے ہیں۔

اُن ارواح پر کیا گزرتی ہے جو اپنا رشتہ اس دنیا سے
توڑ ڈیتے ہیں، جو دنیا سے بھڑے تمام تاروں کو توڑ کر صرف
اللہ کی رضا کے لئے جیتے ہیں؟ زندگی اُن کے لئے آسان
نہیں ہے، بیشک اُن کے اطراف کے لوگ اُنکی زندگیوں

کو آسان نہیں رہنے دیتے۔ ان مشکلات کا سبب یہ ہے کہ اللہ کے عاشقین (دوسروں سے) مختلف ہیں؛ وہ عام لوگوں سے مختلف ہیں، یعنی دُنیا کے لوگوں سے۔ وہ اس لئے مختلف ہیں کہ اُن کی آنکھیں اُس دُنیا کو دیکھتی ہیں جسے معمولی لوگ نہیں دیکھ سکتے۔ وہ اس لئے مختلف ہیں کہ اُن کے کانوں میں اُن کے محبوب کی پیار بھری آوازیں آتی ہیں۔ وہ اس لئے مختلف ہیں کہ اُن کے دل ہر وقت قربِ الہی کے سرور اور لذت کی حالت میں ہیں جس کے باعث اُنکی ترجیحات مختلف ہیں۔

اب دُنیا کی اہمیت اُن کی نگاہ میں کچھ نہیں۔ اہمیت صرف اُس کی ہے جس نے اس دُنیا کو پیدا کیا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ اُن کی طرزِ حیات عام لوگوں سے مختلف ہے اور یہی وجہ ہے کہ وہ دوسرے لوگوں کے مذاق کا نشانہ بنتے ہیں، مگر تھوڑے ہی عرصے میں دُنیا کو اُن کی رحمتوں کا احساس ہو جاتا ہے اور اُن کا نام ہر ایک کے لئے خوشی اور رحمت کا باعث بن جاتا ہے۔

کئی سال پہلے ایسے ایک شخص تھے جو اپنے رب کی دائمی حضوری اور غلامی میں رہتے تھے۔ حتیٰ کہ جب وہ

ابھی پیدا ہی نہیں ہوئے تھے وہ جنت کے رہائشی تھے۔
 ان کی ولادت سے پہلے ان کے والد جو خود بھی ایک ولی
 تھے اور جن کی ابھی شادی بھی نہیں ہوئی تھی، انہوں نے
 ایک خواب دیکھا جس میں ایک خوبصورت نوجوان نے ان
 کے پاس آکر کہا: ”بابا! شادی کریں، تاکہ میرا اس دُنیا
 میں ظہور ہو۔“ آپ کے والد نے پوچھا کہ: ”کیا جنت سے
 باہر نکلنا افضل ہے؟“ نوجوان نے جواب دیا: ”جی
 ہاں! اس دنیا میں آنا افضل ہے۔“

یہ وہ زمانہ تھا جب اللہ کے ولی سید کبیر رحمۃ اللہ علیہ
 نے مروند کے حاکم کی بیٹی سے شادی کی اور سال ۵۷۳ھ
 اللہ کے مسرت ولی، اُس کے قلندرِ باصفا، اُس کے عاشق
 کلمیہ حق، سید لعل شہباز حضرت عثمان مروندی رحمۃ اللہ علیہ
 کی ولادت ہوئی۔

اللہ کچھ اولیائے کرام کو خلق کی خدمت کے لئے چُننے
 ہیں۔ ایسے لوگوں کو تبلیغ کے لئے تربیت دے کر تیار کیا
 جاتا ہے جو کہ سُنّتِ انبیاء ہے۔ یہ حضرت ابو اسحاق
 سید ابراہیم قادری رحمۃ اللہ علیہ تھے جو حضرت امام موسیٰ کاظم رضی اللہ تعالیٰ عنہ
 کی نسبت سے تھے جنہوں نے حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ

کو خواب میں دیکھا۔ حضرت محبوبِ سبحانی فرما رہے تھے کہ: ”مروند جائیں اور وہاں مروند کے سید عثمان کی روحانی منزل کی تکمیل کریں۔“ تو اس طرح سلوک کے اسباق بڑی محنت سے اس سید مرشد سے اُن کے نوجوان مُرید کو منتقل ہوئے۔ یہ سلسلہ ایک سال تک جاری رہا۔ پھر عشقِ الہی اور عشقِ نبی کی آگ میں سید شیر شاہ جلال مُرخ پوش نے شدت پیدا کی، جس سے ملاقات حج کے دوران ہوئی اور جو نوجوان شہباز کو کئی ملکوں کی مسافری میں اپنے ساتھ لے گئے جہاں انہوں نے اپنے وقت کے کئی عظیم اولیاء سے فیض حاصل کیا۔

یہ بات یاد رکھیے کہ جو بھی احترام و محبت کے ساتھ کسی ولی کے مزار شریف کی زیارت کرتا ہے، اُسے اُن سے فیض اور تجلیات ملنی شروع ہو جاتی ہیں۔ یہی عالم سلطانِ الہند، خواجہ معین الدین چشتی رحمۃ اللہ علیہ اور حضرت قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے مزارات کا تھا اور حضرت داتا گنج بخش رحمۃ اللہ علیہ اور کئی دیگر اولیاء کرام کے مزارات کا تھا جن کی حاضری سے حضرت لعل شہباز قلندر کے سوز میں اضافہ کیا۔ ان مادرِ زاد ولی کا نسب دراصل امام جعفر صادق رض کی نسب سے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اہلبیت کی محبت خاص کر

بختن پاک کی محبت آپ کے جسم میں اس طرح سمائی ہوئی تھی جس طرح خون جسم میں گردش کرتا ہے۔ آپ عراق میں کافی عرصہ قیام پذیر رہے اور وہاں حضرت علی کرم اللہ وجہہ اور حضرت امام حسین رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے روزہ اقدس پر حاضر ہوتے رہے۔ کربلا کی سرزمین میں آپ کو قلندری طریقے کی بشارت ملی۔ یہ سال ۶۴۹ء ہجری تھا جب حضرت لعل شہباز قلندری سیہون شریف سندھ پہنچے۔

قلندر وہ ارواح ہیں جو خود کو اپنے رب سے ایک مخصوص طریقے سے جوڑے رکھتے ہیں۔ اُن کے دل دُنیا سے مکمل طور سے لاتعلق اور کامل طور سے عشق الہی میں مست و است رہتے ہیں۔ یہ عشق اتنا غالب ہو جاتا ہے کہ یہ قلندر ولی میں خارجی طور ظاہر ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ یہ عشق ایک سمندر کی طرح ہے جو پانی کے بجائے شرابِ عشق سے بھرا ہوا ہے۔ تو آپ کے خیال میں اُس شخص کا کیا عالم ہوگا جو اُس میں غوطہ لگاتا ہے اور اُس میں سے وہ جب اُس کا جی چاہے اور جس قدر بھی اُس کا جی چاہے وہ شراب پیتا ہے۔ کیا وہ ابد الآباد تک نشے میں نہیں رہے گا؟ کیا وہ جذب و لذت کی کیفیت میں نہیں رہے

گا؟ یہی وجہ ہے کہ قلندر (اپنے ارد گرد کی) دُنیا سے بے خبر رہتے ہیں۔ وہ سرمستی اور سرشاری کے عالم میں گم رہتے ہیں۔ اُن کے حواس کا کنٹرول اُن کے محبوب کے ہاتھوں میں ہے اور یہ ہی وجہ ہے کہ بے خودی اور بے اختیاری اُن کا قصور نہیں۔ وہ کس طرح کسی دوسری طرف دیکھ سکتے ہیں جب اُن کے محبوب کا چہرہ ہمیشہ اُن کے سامنے ہوتا ہو۔ یہ قلندر ذکرِ ٹھوٹھ میں رہتے ہیں۔ یہ ذکر اُن کی سانس ہے، اُن کے دل کی حرکت ہے، اُن کے خون کی گردش ہے اور اُن کے رقص کا محور ہے۔ پھر اس میں حیرت نہیں کہ قلندری روح الیٰ خولبورت اشعار کہہ سکتی ہے:

شدم بد نام در عشقش بیا اے پارسا ہم بین

نمی ترسم ز رسوائی سر بازار می رقصم

(یعنی: "میں اُس کے عشق میں بد نام ہو گیا ہوں لیکن

اے میرے پارسا دوست آ، میں رسوائی سے ہرگز نہیں ڈرتا

میں سر بازار ناچتا ہوں۔")

بیا اے مطرب و ساقی سماں و ذوق را در وہ

کہ من از شادی و ملش قلندر واری رقصم

(اے مطرب و ساقی آ! سماء اور ذوق سے مجھے نہ سال

کردے۔ میں اب اُس کے وصل کی خوشی میں قلندر کے
مانند قلندرانہ رقص کرتا ہوں۔

جس وقت اس قلندر کے قدم مبارک سیہون شریف
میں داخل ہوئے تو ایسا لگا کہ اُن لوگوں کے تاریک بوسیدہ
دلوں میں جو دیوی اور دیوتا کی پوجا کرتے تھے، سورج کی
شعاع داخل ہوئی۔ وہ سر جو صرف بے جان مورتیوں کے آگے
بھکنا جانتے تھے، اُن کو معلوم نہ تھا کہ وہ بہت جلد ہی
توحید کا اور ایمان کا نیا سبق ایک کامل مُرشد سے سیکھنے
والے ہیں۔ کیسی رحمتیں اُس کفرستان، سیہون میں داخل ہوئیں
جب حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی یہاں آمد ہوئی۔

اتفاق سے جو جگہ حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ اور
اُن کے درویشوں نے رہنے کے لئے منتخب کی تھی وہ
بازارِ حُسن کی جگہ تھی جہاں گناہ ایک معمولی زندگی تھا۔
جب رات آتی تو اُن گھروں کے رنگ و سرور شروع
ہو جاتے۔ یہ سلسلہ سالہا سال سے جاری تھا۔ لیکن اُس
خاص رات ایک عجیب واقعہ رونما ہوا۔ بازار دستور کے
مطابق ہمیشہ کی طرح سجا ہوا تھا اور گاہک معمول کے مطابق
بازار کی طرف آرہے تھے مگر جیسے ہی وہ اُس گلی میں داخل

ہوتے تو اُن کے دلوں میں خوف اور گمراہی اس قدر طاری
 ہوتے کے اُن کو اُلٹے پاؤں واپس لوٹ جانا پڑتا۔ اُس رات
 وہاں کا کوئی گھر بھی گناہ سے آلودہ نہ ہوا اور یہ واقعہ ہر
 رات ہونا شروع ہوا۔ اس سے بازار کے تمام لوگ بہت
 زیادہ پریشان ہوئے اور ایک دوسرے سے پوچھنا شروع
 کیا کہ کیا ہو رہا ہے؟ پھر انہیں احساس ہوا کہ جب سے یہ
 نئے درویش نے پڑوس میں ڈیرہ ڈالا، کوئی گاہک محلے میں
 داخل نہیں ہو رہا ہے۔ ان لوگوں میں سے ایک گروہ اُن
 درویشوں کے پاس گیا اور اُن سے وہاں سے چلے جانے کو
 کہا لیکن وہ درویش اُن لوگوں کے احتجاج پر خاموش
 رہے۔ یہی وقت تھا جب وہاں کے فاسق و فاجر راجہ
 جیرجی اُس علاقے کا حکمران تھا۔ لوگ اُس کے ظلم و ستم
 سے تنگ آئے ہوئے تھے لیکن تبدیلی کے کوئی آثار نظر
 نہیں آ رہے تھے۔ جب بازارِ حُسن کی عورتوں نے دیکھا کہ
 لوگوں کو اُن کی طرف آنے میں اب دلچسپی نہیں رہی تو
 انہوں نے تنگ آ کر راجہ سے اُس کی شکایت کر ڈالی۔
 راجہ ایک بزدل انسان تھا۔ چونکہ وہ ایک معصوم اور بے گناہ
 درویش کو قید میں رکھنے کا بھی مجرم تھا اس لئے وہ ان

نئے درویشوں سے بھی ڈرنے لگا تھا۔

کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ راجہ کی بیٹی اپنی کھڑکی کے قریب بیٹھی ہوئی تھی کہ اُس کی نظر ایک درویش پر پڑی۔ ایسا لگتا تھا کہ وہ اُن جھاڑیوں میں رہتے تھے لیکن دن کے وقت وہ تین بار زمین کو اپنے رومال سے صاف کرتے اور بلند آواز میں پکارتے: ”لوگو! میرا مُرشد آ رہا ہے میں اُس کے استقبال کی تیاری کر رہا ہوں۔ تم بھی اُس کو خوش آمدید کہنا۔ اسی میں تمہاری بھلائی ہے۔“ اِس منظر سے راجہ کی لطف اُٹھاتی تھی اس لئے وہ کھڑکی کے قریب بیٹھ کر درویش کی یہ کارکردگی دیکھا کرتی تھی۔ جب راجہ نے یہ افواہ سنی کہ اُس کی بیٹی کو ایک درویش سے محبت ہو گئی ہے تو اُسے غصہ آگیا اور اُس نے اُس بے گناہ درویش کو جو حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے قید میں ڈال دیا۔

اب راجہ کو ایک نیا مسئلہ درپیش تھا۔ صلح کرنے کی خاطر اُس نے لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے پاس زیورات سے بھری ایک طشتی بھجوا دی لیکن اللہ کے ولی کو اُن تحفوں میں ریاکاری نظر آئی اِس لئے آپ رحمۃ اللہ علیہ نے

زیورات سے بھری وہ طشتری آگ میں پھینک دی جو
 صرف چند لمحوں میں جل کر راکھ ہو گئی۔ حضرت لعل شہباز
 قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے راجہ کے آدمیوں کو خبردار کیا کہ وہ اُن کے
 مُرید کو رہا کریں ورنہ وہ خود اُسے آزاد کرانے کیلئے جائیں
 گے۔ راجہ کے آدمی یہ سُن کر خاموش رہے۔ کہتے ہیں کہ ایک
 رات عشاء کی نماز کے بعد قلندر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے اپنا رُخ
 ایک طرف موڑتے ہوئے فرمایا: ”او بدّے! میرے پاس
 آجاؤ ہماری آنکھیں تمہیں دیکھنے کے لئے ترس رہی ہیں۔“
 بدّے یہی قید والے درویش تھے۔ عین اُسی وقت بدّے کی
 تمام زنجیریں ٹوٹ گئیں اور جیل کا دروازہ اپنے آپ ہی کھل
 گیا۔ اس واقعے سے راجہ کی سلطنت میں ایک ہلچل سی مچ
 گئی۔ لوگ ایک دوسرے کو اس مسلمان درویش کی (روحانی)
 طاقت کے بارے میں بتانے لگے جنہوں نے پھر کچھ عرصے
 بعد لوگوں کو راجہ جیرجی کے ظلم سے نجات دلا دی۔

یہ لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی کرامت تھی کہ صرف چند
 ہی سالوں کے عرصے میں لوگوں کے دل تبدیل ہونا شروع
 ہو گئے اور وہ پیشانیاں جو شرک کی کالک سے رنگین تھیں
 وہ اپنے اللہ کے آگے جھکنا شروع ہو گئیں۔ اللہ کے قلندر

نے مستقل طور پر سیہون شریف میں سکونت اختیار کی لیکن آپ رحمۃ اللہ علیہ قریب کے دیہاتوں کا تبلیغ کی خاطر دورہ کیا کرتے تھے۔ یہ آپ رحمۃ اللہ علیہ کی شیریں زبان اور علم کی گہرائی تھی جو دلوں کو اپنی طرف کھینچتی تھیں۔ آپ کا جمعہ کا خطبہ مقبولِ عام تھا اور لوگ دُور دراز علاقوں سے اُسے سننے آیا کرتے تھے۔ آپ کی آواز سحر انگیز تھی اور اُس میں سوز اور گداز تھی اس لئے جو بھی اُسے سنا وہ فوری طور آپ کی طرف کھینچتا تھا۔ آپ کی عربی بھی فصیح و بلیغ تھی اور آپ کا بیان اس قدر متاثر کن تھا کہ لوگ بے اختیار ہو کر زار و قطار رونے لگتے تھے۔

روایت ہے کہ ایک مرتبہ آپ اپنی خالقاہ کے صحن میں بیٹھے وضو فرما رہے تھے۔ اُس جگہ کوئی سایہ نہ تھا سو سورج کی تپش کو دیکھ کر مُریدین نے عرض کیا: ”حضرت ہم یہاں سایہ کے لئے ایک درخت اُگائیں گے تاکہ یہاں بیٹھنے والوں کو راحت ملے۔ وضو کرنے کے بعد لعل شہبار قلندر نے اپنی مسواک اپنے ایک مُرید کو دیتے ہوئے فرمایا: ”اس مسواک کو یہاں لگا دو۔“ انہوں نے آپ کے فرمان پر عمل کیا۔ سب کی حیرت کی انتہا نہ رہی جب دوسرے ہی دن اُس

مسواک پر ننھے پتے نکل آئے اور چند ہی دنوں میں وہ
 چھوٹی سی مسواک ایک گھنٹے سایہ دار درخت میں تبدیل ہوا۔
 یہ درخت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی حیات مبارکہ تک وہیں
 موجود رہا۔ آپ کے دنیا سے پردہ فرمانے کے بعد یہ درخت
 بھی سوکھ گیا اور کوئی تدبیر اُسے دوبارہ سرسبز نہیں کر سکی۔
 سیہون کے لوگوں میں آپ کی ایک اور کرامت بھی
 مشہور ہوئی، یعنی جب کبھی کسی مریض کو لعل شہباز قلندرؒ
 کے سامنے لایا جاتا تھا تو اللہ کے یہ ولی فرماتے: ”اے
 مرض! میں تمہیں اللہ کے نام کا واسطہ دیتا ہوں کہ اس شخص
 کو چھوڑ دے“ اور پھر ایک بار سورۃ الفاتحہ، ایک سورۃ فلق
 اور ایک سورۃ الناس، اور کچھ کلمہ طیبہ پڑھ کر دم کرتے
 اُس کے بعد آپ خلفاء راشدین کا وسیلہ پا کر مریض پر دم
 کرتے۔ آپ کی دعا ہمیشہ مقبول ہوتی اللہ کے دربار میں۔
 آپ رحمۃ اللہ علیہ کی یہ کرامت آج دن تک جاری ہے۔ جو کوئی
 بھی لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ کے مزار شریف پر جائے اور اسی
 طرح دم کرے تو آج بھی اللہ کی رضا سے اُسے شفا نصیب
 ہوگی۔ آپ رحمۃ اللہ علیہ اعصاب دور کرنے کے لئے بھی مشہور
 تھے۔ اگر کوئی شخص اس کا شکار ہوتا تو آپ اُس کا نام

بلند آواز میں لیتے اور پھر مریض کی طرف بغور دیکھنا شروع کرتے یہاں تک کہ مریض بے ہوش ہو جاتا اور اعصاب اُس شخص کے بدن سے نکل جاتا۔ پھر مریض کو بکری کا دودھ پلایا جاتا اور مریض فوراً صحت یاب ہو جاتا۔ یہ کرامت آج بھی مزارِ اقدس میں موجود ہے اور کوئی بھی متاثرہ شخص مزارِ شریف میں کچھ دیر ٹھہر کر آپ رحمۃ اللہ علیہ کے وسیلے سے دعا مانگے تو اُسے شفاءِ کاملہ نصیب ہوگا۔

حضرت سخی لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ نہ صرف ایک آزاد مشرب قلندر تھے، بلکہ وہ فلسفہ اور وحدۃ الوجود کے بھی ایک صوفی تھے۔ آپ کی فنائیت مجرد اور بے قید و روشی تھی یعنی وہ جو ہر وقت ذاتِ الہی میں غرق ہو اور جو خلا اور وقت (زمان و مکان) کی حدوں سے ماورا ہو۔ جس طرح علامہ اقبال رحمۃ اللہ علیہ نے فرمایا ہے کہ: ”آپ قلندر جوان تھے، مردِ درویش ہیں، زمانے سے پکار کر کہتا ہے کہ تو دُنیا کو اپنے پیچھے چلانے کا عادی ہے۔ میں بندۂ حق ہوں تجھ کو حکم دیتا ہوں کہ جدھر میں جا رہا ہوں تو بھی اُدھر چل۔ میں جو ہنگامے پیدا کر سکتا ہوں تو اُن کی تاب نہیں لاسکتا وہ تیری طاقت سے بالا ہیں۔ تو خیر چاہتا ہے تو قلندر

کی قیام گاہ سے بچتا ہوا نکل جا۔ اسے زمانے ! اگر تو چڑھتا
 ہوا دریا ہے تو مجھے پرواہ نہیں۔ میں کبھی کشتی اور ملاح کا
 محتاج نہیں۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ تیرے تکبر کا نعرہ ٹوٹ
 چکا ہے۔ تو دیکھ کہ میں قلندر ہوں۔ سورج، چاند، ستاروں کا
 حساب لیتا ہوں۔ میں زمانے کی سواری نہیں بلکہ اس کا سوار
 ہوں۔ یعنی زمانے کی مرضی پر نہیں چلتا بلکہ اسے اپنی مرضی
 پر چلاتا ہوں۔“

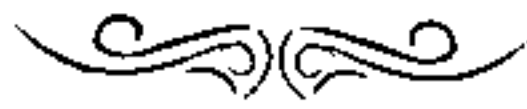
حضرت لعل شہباز قلندر رحمۃ اللہ علیہ زمان و مکان کے قیدی
 نہ تھے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کی روحانیت آپ کی موجودگی
 اور آپ کا اثر آج تک موجود ہے۔ آپ کی سرشاری اور
 سرمستی نے ہمارے سلسلہ نظامیہ نوریہ کو ایک نیا رنگ بخشا
 ہے، ایک مختلف روحانی قوت عطا کی ہے۔ وہ جو اس
 سلسلے کا حصہ ہیں اور صدقِ دل سے اللہ کے لعل شہباز قلندر
 سے محبت کرتے ہیں وہ دنیا سے ڈرنا چھوڑ دیں گے۔ ان
 کے دل مضبوط ہوں گے اور ان کے احساسات زیادہ شدید
 اور گہرے ہو جائیں گے۔ انہیں عشقِ الہی، عشقِ محمدی اور
 عشقِ اہل بیت کے سمندر میں کھینچا جائے گا کیونکہ یہی
 قلندروں کا سمندر ہے۔ جو بھی عارفی نوری یا نوری ہو وہ

اس سمندر میں اتر سکتا ہے ، لیکن شرط یہ ہے کہ خود کو سیہون شریف کے سائیں کے سپرد کریں ، شاہ قلندر کے سپرد کریں۔
 بس آپ اُن سے یہ کہیں کہ : ” میں آپ کا ہوں “ بالکل اسی طرح جس طرح حضرت صاحب فرمایا کرتے تھے اور پھر قلندری دھمال ، قلندری مستی کو دیکھیں کہ کس طرح یہ آپ کے حواس اور آپ کے وجود پر غالب آتے ہیں ۔
 بس خود کو اُن کے حوالے کر دیں اور اُن کے رقص کا حصہ بن جائیں جو جاری رہے گا ابد تک۔

حق قلندر ، لعل قلندر

آمین !

تم آمین ۔



محبت کے تقاضے

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو بے حساب دیتا ہے اور جس کی نعمتوں کی کوئی حد نہیں۔ وہ کائنات کا بادشاہ ہے۔

دُرُود و سَلَام مہربان دل والے بنی پر، وہ جن کے لب لعل و یاقوت جیسے صدا مسکراتے ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب لوگوں کے لئے اور آپ کے پیاروں کے لئے۔ سلامتی ہو اللہ کے عاشقین کے لئے کیونکہ انہوں نے دائمی امان کی راہ چن لی ہے۔

عاشقین تو ہمیشہ ہنگامہ خیز حالت میں رہتے ہیں۔

وہ ہر وقت کرب میں رہتے ہیں، کربِ جدائی میں، اپنے

محبوب کے دیدار کی تڑپ میں۔ اُن کو کسی دوسری چیز کی کوئی

حاجت نہیں ہے۔ اُنہیں دنیا کی پرواہ نہیں، اُس کے

سونے چاندی کی پرواہ نہیں۔ اُن کو ان کی پرواہ کیسے ہو سکتی

ہے جبکہ محبوب کی آواز اُن کے لئے سونا چاندی ہے، اُس کی آنکھوں کی چمک اُن کے لئے ہیرے ہیں، اُس کے گلابی ہونٹ اُن کے لئے یاقوت ہیں اور اُس کے رُخِ زیبا کی دُک چاندی جیسی ہے۔ تو پھر بھلا اُن کو دُنیا کے سونے چاندی کی ضرورت کیوں ہو؟ کسی بھی عاشق کے لئے یہ سب بیکار دھات کے ٹکڑے ہیں اور ہیرے جواہرات بیکار پتھر ہیں۔ یہ ہے اللہ کے عاشقوں کی سورج۔ اللہ کی باتوں کو صرف وہی سمجھ سکتے ہیں جو پیالہٴ عشق سے پی چکے ہیں، مگر دُنیا داروں کے لئے اللہ کے الفاظ بے معنی ہو سکتے ہیں۔

سوال یہ ہے کہ یہ دُرد کس طرح کم کیا جاسکتا ہے اور محبت میں اتنی جدائی کیوں ہے؟ محبت چاہت ہے، ایک طلب ہے اور ایک تمنا ہے۔ یہ ”طلب“ ہے آپ کی محبت کی، ایک ”ضرورت“ ہے اُس کی قربت کے لئے اور ایک ”تمنا“ ہے اُس کے ہاتھوں سے شرابِ عشق کے جام کو پینے کی۔ یہ ہے محبت! ایک دوسرے سے اس قدر قریب ہونا کہ تمام حجابات گرنا شروع کر دیں اور تمام فاصلے ختم ہو جائیں۔ ایسی ہونی چاہیے محبت کی قربت اور نزدیکی۔ آپ کی کائنات کو صرف ایک سورج کے گرد گھومنا چاہیے۔ آپ کی

دنیا کی صرف ایک شبیہ ہونی چاہیے ، اور آپ کے جسم کی صرف ایک ہی تڑپ ہونی چاہیے ، یعنی آپ کے محبوب کے رُخِ زیبا کی ۔ اُسکی ہنسی آپکی ہنسی بن جاتی ہے ۔ اُسکی آنکھوں کی چمک آپ کے لئے سورج کی روشنی بن جاتی ہے ۔ اُس کے ناز و ادا آپ کا فخر و شادمانی بن جاتے ہیں ۔ اس کو کہتے ہیں محبت ۔

جس وقت اس کائنات کو تخلیق کیا گیا تھا تو یہ ایسی نہیں تھی جیسی آج ہے ۔ رنگ زیادہ گہرے تھے اور ہوا زیادہ تازہ تھی ، حتیٰ کہ ندیوں میں بہتا پانی بھی زیادہ میٹھا تھا ۔ پوری فطرت محبت میں مبتلا تھی ۔ اپنے خالق کی محبت میں ، اپنے ہم جنسوں کی محبت میں ، انسانوں کی محبت میں ۔ انہیں ”نور“ ایک پاکباز انسان کی پیشانی پر دکھائی دیتا تھا اور وہ جانتے تھے کہ یہ پہلا انسان دراصل جنت کا رہائشی ہے ۔ وہ محبت دُنیا کو توازن بخش رہی تھی ۔

لیکن وقت گزرنے کے ساتھ انسانی دل کے حرص اور لوٹ کھسوٹ نے اس زمین کا توازن بگاڑ دیا ۔ فیکٹریوں سے نکلنے والے دھوؤں نے فطرت کے روشن رنگوں کو گہنا دیا ۔ جنگلات کی تباہی سے اللہ کی کئی مخلوقات کو اُن کے

نشیموں سے محروم کر دیا۔ طمع اور حسد نے انسانوں سے اُنکی معصومیت چھین لی۔ دُنیا کی سطح پر تبدیلی آتی رہی۔ یہ ایسے ہی ہے جیسے تازہ پانی کیچڑیا ریت سے آلودہ ہو جاتا ہے۔ اگر آپ اُن آلودگیوں کو چھان لیتے ہیں تو پانی دوبارہ صاف ہو جاتا ہے۔ لیکن اگر آپ کیچڑ کو اُس میں جمع ہونے دیتے ہیں تو بہت جلد آپ دیکھیں گے کہ تازہ پانی کیچڑ کی شکل اختیار کرتا ہے۔

تو اس طرح دنیا تبدیل ہو گئی۔ دُنیا کو دلوں کی آلودگیوں نے تبدیل کیا، اور اب تو یہ آلودگیاں اس قدر زیادہ ہو چکی ہیں کہ دُنیا رنج و الم کی تصویر بن کر رہ گئی ہے۔ یہ تو محبت ہی ہے جو کہ شکستہ دلوں کو سہارا دیئے ہوئے ہے اور اشکوں کو سوکھنے کے لئے مدد فراہم کر رہی ہے۔ اب زمانے کے خاتمے میں ایسا ہونا ممکن نہیں کہ یہ تمام تر صورتحال کو بدل ڈالیں، لیکن یہ عاشق کے دل میں زنگ ضرور لائے گی۔ اس سے زخم ضرور مُندیل ہوں گے۔ تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کے دل کی فلاح کے لئے محبت میں مُبتلا ہونا ضروری ہے۔

کہاوت ہے کہ: "اگر آپ پانی کو روک نہیں سکتے تو

بس اُس کے ساتھ بہتے جائیں۔ " آخر زمان کا طوفان اس قدر طاقتور ہے کہ جو اُس کے آگے کھڑے ہوں گے اُس کی تیز لہروں میں بہہ جائیں گے۔ ایسا ممکن ہی نہیں کہ دُنیا والے اس کے آگے کھڑے ہو سکیں۔ یہ اُن کی خام خیالی ہے کہ وہ زمانہ آخر کے آگے ٹھہر سکتے ہیں اور اُس کی آفتوں سے اثر انداز نہیں ہوں گے۔ یہ تو صرف وہ عاشق ہیں جن کے ہاتھ پاکبازوں کے ہاتھوں میں ہیں اور جن کے دل رسول اللہ ﷺ اور اولیائے کرام کے مبارک قدموں میں جھکے ہوئے ہیں جو اس کا مقابلہ کر سکیں گے۔ صرف یہی لوگ ہیں جو طوفانِ آخر کی لپیٹ میں آنے سے بچائے جائیں گے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ کو کسی کامل ولی کے ہاتھوں کو تھامے رکھنا چاہیے اور اللہ کے عاشقین کی محبت قائم رکھنی چاہیے۔

تو سوال یہ ہے کہ ہمیں کیسے معلوم ہو کہ کوئی شخص اللہ کا عاشق ہے؟ یا اس مقام کا اہل ہونے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہیے؟

اللہ کا عاشق ہونے کے معاملے کا تعلق براہِ راست دل سے ہے۔ اگر آپ کا دل صحت مند ہے تو پھر آپ

میں اتنی قوت ہے کہ آپ ”نور“ اور تجلیات کی موجودگی کو برداشت کر پائیں گے جو روحانی شخصیت کی ذات کا حصہ ہیں۔ یہ ”نور“ اتنا مضبوط اور اتنا طاقتور ہے کہ اگر یہ کسی پہاڑ پر گر جائے تو وہ پہاڑ راکھ بن جائے۔ محبت کی دنیا عام دنیا سے نہایت مختلف ہے۔ عام دنیا میں آپ اپنی حیثیت کو خرید سکتے ہیں۔ آپ اُسے بے ایمانی اور ہوشیاری سے پاسکتے ہیں یا آپ اُسے ورثے میں پاسکتے ہیں۔ لیکن محبت کی دنیا میں یہ تمام عوامل کام نہیں آتے۔ اگر کوئی شخص خلوص سے محبت کو تلاش کرتا ہے، اگر وہ اُس کے دل کی واحد تمنا بن جاتی ہے اور اگر وہ اپنے رب سے اُس محبت کی طلب کرے، تب جا کے اُس پر یہ رحمت نچھاور کی جاتی ہے۔ محبت کی دنیا میں دولت، رنگ و نسب، یا حسن ووجاہت کی اہمیت نہیں۔ یہ سب بے معنی چیزیں ہیں۔ آپ کو کوئی خاص علم یا قابلیت کی بھی ضرورت نہیں ہے دلوں کی دنیا میں کوئی مقام حاصل کرنے کے لئے۔ اس میں واحد ضرورت طلب کی ہے۔ پُر خلوص طلب! جب یہ طلب پیدا ہوتی ہے تو تب سچے دل اپنے گہر مقصود کو تلاش کرنا شروع کرتے

ہیں۔ یہی وہ وقت ہے جب وہ طالب (یعنی طلب کرنے والے) بن جاتے ہیں۔ یہ اصلی دنیا میں داخلے کا درجہ ہے۔ جب آپ کو یہاں پذیرائی ملتی ہے، تو آپ کی ذمہ داری بھی بڑھ جاتی ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اب آپ کو کچھ حدود کے اندر رہنا ہے ان حدود کی نشاندہی شریعت کرتی ہے۔ جو اللہ کا عاشق ہونے کا دعویٰ کرتا ہے اور غیر شرعی کام کرتا ہے، تو یقیناً اُس کا دعویٰ جھوٹا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ اب طالب کو ایک کامل مُرشد کی تلاش کرنا چاہیے جو ان قواعد کی تشریح کر سکیں۔ ہر آدمی کو ایک مُرشد کی ضرورت ہے۔ یہ دنیائے محبت میں ضروری ہے۔ اس کی وجہ بڑی سادہ ہے۔ عام دنیا میں بھی ایک اُستاد کو اپنے شاگرد سے زیادہ اہل ہونا چاہیے اور بہترین اُستاد وہ ہے جس میں تجربہ بھی ہو اور اُس کے پاس صرف کتابی علم نہ ہو۔ یہاں بھی یہی بات صادق آتی ہے۔ آپ کتابوں کے ذریعے روحانیت، کس طرح سیکھیں گے۔ یہ وہ دُنیا ہے جو دکھائی نہیں دیتی۔ آپ غیب کی تعلیم صرف کتابوں سے کس طرح حاصل کر سکتے ہیں۔ اسی لئے آپ کو ایک ایسے اُستاد کی ضرورت ہے جو اُس دوسری ”سمت“ میں رہتا ہو، وہ

جو اپنے الفاظ کسی کتاب سے نہیں لیتا اور پھر بے دلی سے انہیں اپنے طالبوں کے سامنے پیش کرے۔

حقیقی دُنیا میں خود، اُستاد کو دوسرے قابل اُستادوں سے علم حاصل کرنا ہوتا ہے چاہے اُن کا تعلق اِس دنیا سے ہو یا اُس دوسری دنیا سے۔ پھر اُس اُستاد کو چاہیے کہ وہ خود عبادات اور وظائف کے ذریعے اپنے باطن کو مضبوط بنائے۔ ایسے کئی اُستاد ہیں جو اِن ضروریات پر پورا اُترتے ہیں لیکن وہ اُس سے آگے نہیں بڑھ سکتے۔ ایک اصلی اُستاد، یا کامل مرشد کو غیب کی دنیا تک رسائی ہونی چاہیے۔ اُن کو آسمانی راستوں کا مسافر ہونا چاہیے۔ اُن کے ساتھ بھی ملائک یا پاکیزہ ارواح ہونے چاہیے، اور اُن کے دل کی گنجی ایک روحانی شخصیت کے ہاتھ میں ہونی چاہیے جس کا تعلق دوسری دُنیا سے ہو۔ اُس کا وصال اپنے محبوب سے مکمل ہونا چاہیے اور اُن کے درمیان کوئی جُدائی یا فاصلہ نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کوئی اُستاد اِن شرائط پر پورا اُترتا ہے، تو تب جا کر اُسے ”کامل“ کہا جائے گا اور اُسے صرف اُس صورت میں ”کامل“ کہا جائے گا، اور تب وہ طالبوں کی سیدھے راستے پر صحیح

معنوں میں رہنمائی کر سکے گا۔

عاشق بننا اتنا آسان نہیں ہے۔ آپکو اپنی خواہشات اور دُنیا کو اور خود کو جَلانا پڑتا ہے تب ہی اُس راکھ سے ایک عاشق پیدا ہوتا ہے۔ جَلائے جانے کے اُس عمل میں آپ کے مُرشد آپ کی مدد کرتے ہیں اُس آگ کے شعلوں کو تیز کرتے ہوئے، تاکہ آپ کے پاس دنیاوی کوئی شے باقی نہ رہے۔ یہ تو صرف ایک کامل مُرشد کے ہاتھوں کا صدقہ ہے کہ ایک طالب عاشق بن جاتا ہے۔

ایک طالب کے لئے نہایت ضروری شے یہ ہے کہ وہ ایک مُرشدِ کامل کو تلاش کرے۔ پھر اگر اُس کو ایسی رحمت سے نوازا جاتا ہے، اُسے اپنے مُرشد کی صحبت میں جس قدر ہو سکتا ہے رہنا چاہیے اور اُسے چاہیے کہ مُرشد اُسے جو کچھ بتائیں وہ اُسے مانے۔ اگر کوئی طالب اپنے مُرشد کے احکامات کو ماننے سے پس و پیش کرتا ہے، تو یاد رکھیے کہ اُس کا دل ابھی کمزور ہے اور اُسے ابھی ایک لمبا راستہ طے کرنا ہے۔

اے اُمتِ محمدی! عاشق بننے کے لئے بس یہ یاد

رکھیے کہ :

۱۔ اللہ سے سچے دل سے اس کی طلب کریں۔

۲۔ ایک رہنما کی تلاش کریں۔ ایک ایسے شخص کی جو اللہ کا ولی اللہ کا عاشق ہے اور پھر خود کو مکمل اور غیر مشروط طور پر اُس کے سپرد کر دیں۔ یہی ہے طریقہ اللہ کے عاشق بن جانے کا۔ اب اگر آپ کا مُرشد کامل ہے اور اُس میں اللہ کی رضا شامل ہے اور حق کے لئے آپ کی تڑپ بھی سچی ہے، تو آپ اپنے اندر ایک تبدیلی رونما ہوتے محسوس کرنے لگیں گے۔ وہ دنیا جو مختلف رنگوں کی تصویر ہوا کرتی ہے، وہ آپ کیلئے سفید اور کالے رنگ کی مبہم تصویر بن جائے گی۔ سفید چیزیں وہ ہوں گی جو آپ کے اللہ کو پسند ہیں اور کالی چیزیں وہ ہوں گی جو ایک مومن کے لئے ممنوع اور حرام ہیں۔ دُنیا ایک پنجرہ بن جائے گی جس میں عاشق کی رُوح قید ہے۔

اگر آپ کسی پرندے کو پنجرے میں بند دیکھتے ہیں تو آپ کو نظر آئے گا کہ اُس کی آنکھیں ہر وقت آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی ہوں گی اُس وقت کے انتظار میں جب قفس کے دروازے کھلیں۔ یہی معاملہ ایک عاشق کو درپیش ہوتا ہے جس کی آنکھیں کبھی دُنیا پر نہیں ٹپکتیں، بلکہ وہ آسمان کی طرف اُٹھی ہوئی ہوتی ہیں اور وہ چاہتا ہے کہ قفس کا

دروازہ اُس کے لئے کھل جائے۔ ایک سچے عاشق کے احساسات یہی ہیں، یعنی اُسے ہمیشہ اپنے محبوب کی تمتا رہتی ہے، ہر وقت اُس کی حضوری میں رہنے کی آرزو۔ یہ صرف اُس وقت ہوتا ہے جب اُس پر اللہ کی رحمت ہوگی کیونکہ یہ صرف اللہ ہی ہے جو اپنے عاشقوں کا انتخاب کرتا ہے۔

اب آئیے اس بات کا جائزہ لیتے ہیں کہ عاشقوں کی دُنیا میں درد اور جدائی کیوں ہے؟

جو اب صرف اُن کی سمجھ میں آئے گا جو اس راہ کے مسافر ہیں اور جو شب و روز اس تڑپ کی آگ میں جلتے رہتے ہیں۔ آئیے شمع اور اُس پروانے کی مثال لیتے ہیں جو اُس کے گرد گھومتا ہے۔ پروانہ جانتا ہے کہ شمع کا شعلہ اُس کی جانِ جاناں ہے اس لئے وہ اُس کے گرد والہانہ رقص کرتا ہے اور جب عشق کی تپش بڑھتی ہے تو پھر یہ طواف بھی کافی نہیں۔ اُسے آگے بڑھ کر آگ کے ساتھ ایک ہونا پڑتا ہے حالانکہ وہ اچھی طرح جانتا ہے کہ اُس کا انجام کیا ہوگا۔

یہ حماقت یا لاعلمی نہیں۔ یہ محبوب سے ملنے کی شدید تڑپ ہے۔ عاشقوں کے ساتھ بھی یہی ہوتا ہے۔ عاشق کا دل سکون سے نہیں رہتا۔ اس کی حرکت یا اُس کی دھڑکن

دراصل اُس کا طواف اُس کے محبوب کے گرد ہے۔ اب جب عاشق کی حدت بڑھتی ہے اور اُس کے دل کی دھڑکن کافی نہیں ہوتی تو پھر عاشق اپنے سینے سے اپنے دل کو نکال کر اُسے اپنے محبوب کے قدموں کے نیچے رکھ دیتا ہے۔ بد قسمتی سے یہ بھی کافی نہیں ہوتا۔ درد و تڑپ محبت کے لئے پھر بھی بڑھتا ہی جاتا ہے۔ دل کو دل کی طلب ہے اور محبوب کو اس کا بخوبی علم ہے لیکن درد و تڑپ دراصل اُس آگ کے شعلے کو تیز کرتی ہیں جو عاشق کے دل میں سُنگ رہی ہے۔ یہ شعلہ اُس عاشق کے نفس کو جلانا شروع کرتا ہے۔ آہستگی اور تواتر سے یہ ہر چیز کو جلا دیتا ہے۔ خواہشات، دُنیا، طمع، اَنَا، حرص، حسد اور ریا کاری، یعنی سب کو جلا دیتا ہے۔ محبت کی دنیا میں یہ ہے مقصد درد، جدائی اور بے قراری کی تڑپ کا۔ محبت لطیف ہے تو یہ کیسے ہو سکتا ہے کہ کثیف دُنیا کسی ایسی چیز سے مدغم ہو جائے جو اس قدر لطیف ہو۔ جب یہ کثافت جسم میں جل جاتی ہے تب ہی لطیف رُوح زیادہ نمایاں ہو جاتی ہے اور تب ہی محبت کا ملاپ ہو جاتا ہے۔

یاد رکھیں کہ محبت کا کرب دراصل دنیا کو آپ کے

دل سے ہٹانا ہے۔ یہ روح کی صفائی ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ جدائی کا درد دوسری دنیا میں بھی موجود ہوگا مگر اُس کرب کا مقصد مختلف ہو جاتا ہے۔ اس موضوع پر اُس وقت بات ہوگی جب آپ اُس دنیا میں داخل ہوں گے۔

بس یہ یاد رکھیں کہ آپ کا اللہ آپ سے بہت محبت کرتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ محبت کے یہ اسباق آپ کو سکھائے جا رہے ہیں۔ اس راہ کا ایک حصہ بنیں۔ محبت کے درد کو محسوس کریں اور جلد ہی آپ ایک نیا ”آپ“ اپنے اندر دیکھیں گے۔ ریٹے اس طرح جس طرح مولانا رومی فرماتے ہیں: ”کیا آپ کو اپنی رُوح کی تلاش ہے؟ تو اپنے قفس سے باہر آئیے۔ دھارے کو چھوڑ کر دریا سے مل جائیے جو سمندر کی طرف بڑھ رہا ہے، اس دُنیا میں جذب ہو کر۔ آپ نے اسے اپنا بوجھ بنا لیا ہے۔ اس دنیا سے اُدھر اُٹھیے! ایک اور بھی تصور ہے.....“

اللہ کی رحمتیں اور اُس کی محبت آپ سب کے سُرور پر سایہ نکلن رہیں، باوسیلہٗ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔

آمین!

ثم آمین۔

حضرت شرف الدین ابو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ

شروع اللہ کے بابرکت نام سے جو سات آسمانوں اور زمین کا مالک ہے جس نے ارواح کو پیدا کیا اور اُن کو جسم عطا کئے مٹی کے اور جس نے ارواح میں دل سجائے جو کہ اللہ کا مسکن ہیں۔

دُرود و سلام اللہ کے نبی ﷺ پر، اُن پر جو اپنی اُمت کے لئے بہترین خزانہ ہیں اور جو اپنے عاشقوں کے ساتھ محبت کی باتیں کرنا پسند کرتے ہیں۔

۶

سلام، رحمت اور برکتیں آپ سب پر اور آپ کے پیاروں پر۔ سلامتی ہو اُن پر جو جانتے ہیں کہ ایک مُبارک مہینے کا نزول ہو چکا ہے اُن کی زندگیوں میں اور جو ہمیشہ ان رحمتوں کے ہر ایک لمحے سے مستفیض ہونے کے لئے بے چین ہیں۔
نا اُمیدی اور مایوسی ایک صوفی کا طریقہ نہیں ہے۔ ایک صوفی کا دل ہمیشہ خوش ہے؛ خوش ہے اگر محبوب کے ساتھ

وصال ہے۔ اگرچہ محبوب دور ہو اُس کے باوجود صوفی یادِ محبوب میں خوشی پاتا ہے اور وصال کے اُن خوبصورت لمحات کے لئے تڑپتا ہے۔ مگر اس تڑپ میں بھی لذت کا ایک احساس ہے، اس اُمید کا ایک احساس کہ اگلی ملاقات کس نوعیت کی ہوگی اور اُس ملاقات میں کیسی خوبصورت سنگیت سنائی دیں گی۔ صوفی کا دل دنیاوی فکروں سے خالی ہوتا ہے۔ یہ ہر وقت سکینت کی حالت میں ہے، جو اللہ کی اپنے عاشقوں کے لئے رحمت ہے۔

• عاشق کی پہچان کیا ہے؟

اس دُنیا میں ایسے کئی عاشقوں کا وجود ہو سکتا ہے جو لوگوں کو نظر نہیں آتے نہ جو دنیاوی لباس میں چھپے ہوتے ہیں اور دنیاوی مشاغل میں رہتے ہیں۔ وہ دنیا والے نظر آتے ہیں کیونکہ وہ نہیں چاہتے کہ دوسرے اُن کے راز سے واقف ہوں مگر اُس دنیاوی لباس میں وہ سچے عاشق ہیں۔

تو پھر آپ ایک عاشق کو کس طرح پہچان سکتے ہیں؟
 اُس کی آنکھوں کے ذریعے۔ اُس میں محبت کا ایک شعلہ ہے جو وہاں ہر وقت روشن رہتا ہے۔ یہ شعلہ اُس وقت مزید نمایاں ہو جاتا ہے جب عاشق تنہا بیٹھا ہوا ہوتا

ہے۔ اُس وقت آپ کو عشق کا دریا اُس کی آنکھوں سے بہتا ہوا بھی نظر آسکتا ہے اور اُس کے لبوں سے اُس کے محبوب کا نام سنائی دے گا اور جب کوئی عاشق قلندر بھی ہو تو آپ کو یہ سب دیکھنے کے لئے انتظار نہیں کرنا پڑیگا۔ بس کسی بھی وقت اُن کی آنکھوں میں جھانکیئے، آپ کو اُن میں اُن کے محبوب کا عکس دکھائی دے گا! یہ ہے ایک قلندر کی محبت کا دکھائی دینا۔

جیسے کہ حضرت ابوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کا فرمانا ہے کہ: ”میں ہر شب محبوب کے چہرے کی یاد میں چراغ جلاتا ہوں۔ مجھے پروانے کی طرح جلنے سے بالکل فراغت نہیں۔ ہر وہ شخص جس کا ذہن تیرے سودے سے خالی ہو، خدا کرے اُس کے سر پر آسمان سے پتھر اور خاک برسیں۔ محبوب کے چہرے کی وجہ سے ہمارا باغ ہمارے سینے کے اندر ہے۔ ہم اُس باغ کی سیر سے بالکل لطف نہیں اٹھاتے۔ اُس شوخ دشتنگ کے چہرے اور آنکھوں کے خیال سے میری آنکھیں آنسوؤں سے بھری اور میرا سینہ داغ داغ ہے۔ اے واعظ! جس طرح بلبلوں کے درمیان کوٹے کا شور اچھا نہیں لگتا اِس طرح عاشقوں کے درمیان غرور اور تکبر کے نعرے اچھے نہیں

لگتے۔ اے شرف! اگر تو دنیا اور دین سے فارغ نہیں ہوا
 تو پھر دن رات باغ اور جنگل میں مستوں کی طرح کیوں پھرتا ہے؟
 ایک دل کو دل کیسے کہا جائیگا اگر وہ یادِ یار کے لطف
 سے خالی ہو؟ جو شرابِ حق کا مزہ چکھ لیتے ہیں، وہ دوبارہ دنیا
 کی طرف نہیں پلٹتے۔ اس شراب کے نشے کی شدت مختلف ارواح
 پر جداگانہ ہوتی ہے۔ جیسے جیسے شراب کی شدت بڑھتی ہے، ویسے
 ویسے عاشق قربت کی بلندیاں طے کرتا ہے اور اگر اس قربت نے مستقل
 ایک ہی مقام پر قائم رہنا شروع کیا تو ہو سکتا ہے کہ عاشق
 غوث، قطب، ابدال یا قلندر کے مقام تک پہنچ جائے۔
 اُسے اللہ کے کام کے لئے چُنا جاسکتا ہے۔ یعنی اللہ کے
 اسماءِ حسنیٰ کو دنیا میں پھیلانے کے لئے۔ عشقِ الہی کی شدت
 ایسی ہوتی ہے۔ "میں عشق سے مُنہ نہیں موڑوں گا خواہ میرا
 سر چلا جائے اور میرے دل سے محبوب کی یاد کبھی نہیں
 جائے۔ میں عشق کے صحرا سے واپس نہیں آؤں گا خواہ میرا
 سامان گر جائے اور میرا ادنٹ بھی چلا جائے۔ تیری جفا کی
 تلوار کے ہاتھوں اگر میرا سر بھی چلا جائے تو شمع کی طرح اوپر تلے
 ہزار سراور آجائیں گے۔"

یہ ایک قلندری گیت ہے جو ایک قلندری رُوح نے گائی

ہے، وہ رُوح جو جنگلوں اور بیابانوں میں اپنے محبوب کے عکس کی تلاش میں سرگرداں رہتی تھی جو خون کے آنسو روتی اور جس کا دل جلتا ہی رہتا ہے مگر تب بھی قرار نہیں ملتا، اُسے دردِ محبت سے چھٹکارا نہیں ملتا۔ اُس کے کان کے زیور پر میں فدا کہ جب میرے چہرے کی زردی اور آنکھوں کا گوہر (چمک) جائے تو وہ محبوب کے کان کی بالی بن جائے۔ خدایا شبِ وصل ابد تک دراز ہو جائے اور میرا دلبر بہانے بزم سے نہ جائے۔ اے محبوب! شرف نے جب تیرے دیدار کا شربت چکھا تو اُس نے کہا :

ایسا نہ ہو کہ اُس کے لبوں پر کوثر کا نام آجائے۔“

یہ الفاظ اُس شخصیت کے ہیں جن کو حضرت امام ابوحنیفہؒ کے نسب سے تعلق ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ ان کا نام شرف الدین اور کنیت ابوعلی یا بُوعلی تھی اور آپ کا لقب قلندر تھا۔ یہ سنہ ہجری کی شروعات تھی جب آپ کی ولادت ایک بزرگ کے گھر ہوئی جن کا نام فخر الدین سالار تھا جو خود بھی صوفی شاہ محمد کرمانی رحمۃ اللہ علیہ کے مُرید تھے۔ ان کے مُرشد ان سے اس قدر خوش تھے کہ انہوں نے اپنی بہن، بی بی حافظہ جمال کا عقد ان سے کر دیا۔ اُن کا پہلا بیٹا نظام الدین تھا۔ جب یہ بیٹا جوان ہوا تو وہ ہندوستان چلا گیا تجارت کیلئے اور پانی پت

میں رہنے لگا۔ کہتے ہیں کہ والدین کو اپنے بیٹے کی جدائی برداشت نہ ہو سکی اور وہ بھی عراق چھوڑ کر پانی پت چلے آئے۔ یہیں پر حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی ولادت ہوئی۔

کبھی کبھی کسی کی عظمت کے آثار اُن کے گہوارے سے

ظاہر ہوتے ہیں۔ یہی اس دلی کے معاملے میں ہوا۔ کہتے ہیں کہ پیدائش کے وقت حضرت بوعلی قلندر نے رونا شروع کیا اور تین دن تک رونا بند نہیں کیا۔ انکے والد انکو آنکھ میں لے گئے جہاں انہوں نے ایک چمڑا پوش فقیر کو دیکھا جو اُن کی طرف دیکھ رہا تھا۔ والد نے فقیر سے ہاتھ ملایا۔ اس پر فقیر نے کہا: ”اے شیخ! میری مبارک باد قبول کیجئے بیٹے کی پیدائش پر۔ میں اس بچے کی زیارت کا مستحق ہوں۔“ والد نے بچے کی زیارت کرائی جس کی جبین نورِ سعادت سے دمک رہی تھی۔ فقیر نے فوراً ہی اُس پیشانی کو چوما اور نوزائیدہ بچے کے کان میں ایک آیت پڑھی۔ بچے نے فوراً رونا بند کر دیا۔ پھر فقیر نے والد سے کہا: ”اے شیخ محترم! آپ کا فرزند ارجمند عاشقِ الہی ہے اور عاشقوں کے بھید کی گرہ کھولنا ہرگز مناسب نہیں۔“ پھر وہ فقیر وہاں سے غائب ہو گیا۔ کہتے ہیں کہ یہ فقیر حضرت شاہ جمال قلندر چرم پوش تھے جن کا مزار اٹک دریا کے قریب ہے۔

حضرت بُوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی دو بہنیں بھی تھیں جن میں سے ایک کی شادی حضرت جمال الدین ہنسوی رحمۃ اللہ علیہ سے ہوئی۔ حضرت بُوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی ابتدائی تعلیم عربی اور فارسی میں تھی کیونکہ آپ کی والدہ عربی تھیں جبکہ آپ کے والد کا تعلق عراق سے تھا۔ پانی پت، ہندوستان میں قیام کے دوران آپ نے ہندی زبان میں بھی مہارت حاصل کی لہذا، آپ نے اپنے جذبات کا اظہار ان تینوں زبانوں میں کیا تھا۔ آپ حافظِ قرآن بھی تھے۔ (قرآن شریف آپ کی زبان سے بہتے پانی کی طرح جاری ہوتا تھا۔) آپ فقہ کے پیچیدہ سوالات کو لمحوں میں حل کیا کرتے تھے۔ آپ کو فصیح عربی پر عبور حاصل تھا، جب آپ قرآن کی تفسیر بیان کرتے تو پوری محفل پر مکمل سکوت طاری ہو جاتا۔ آپ نے کافی عرصے تک دہلی کی مشہور مسجد قوت الاسلام میں اپنے خطابت کے جوہر دکھائے۔

حضرت بُوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی زندگی کا بیشتر حصہ درس و تدریس اور کلمہ حق کی تبلیغ کے لئے صرف کیا۔ دور دراز علاقوں کے علماء آپ کی محفلوں میں آکر شریک ہوتے اور حکمت کے موتیوں سے اپنا دامن بھرتے۔ علاؤ الدین خلجی

کے زمانے میں آپ شہر کے مفتی تھے۔

روایت ہے کہ حضرت بوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کو حضرت علی رضا
کے ہاتھ پر بیعت کرنے کا شرف حاصل تھا۔ آپ اکثر و بیشتر
حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی رحمۃ اللہ علیہ کے دربار کی حاضری
دیا کرتے تھے اور آپ کا ذکر حضرت بابا فرید الدین گنج شکر رحمۃ اللہ علیہ
نے ان الفاظ میں کیا ہے :

”دراں وقت برادر شیخ شرف الدین وغیرہ موجود“

روایت ہے کہ آپ کے ہاتھ کئی ہندو راجپوتوں نے
اسلام قبول کیا تھا۔ پانی پت کی جنگ کے دوران غلجیوں کی
وجہ سے کئی ہندو مارے گئے۔ ان میں سے ایک عورت جو
حاملہ تھی، وہ عورت کسی طرح بچ کر بحوال پور پہنچ گئی۔
وہاں اُس کا بچہ امر سنگھ پیدا ہوا۔ جب یہ بچہ بڑا ہوا تو
وہ پانی پت چلا آیا تاکہ اپنے ابا و اجداد کی جائیداد کا دعویٰ
دائر کرے۔ جب امر سنگھ جہنا دریا کے کنارے پہنچا تو اُس
نے وہاں ایک بزرگ کو نماز پڑھتے دیکھا۔ اُس بزرگ کی
پیشانی چمک رہی تھی اور اُنکی آنکھوں میں ایک کشش تھی۔ وہ
بزرگ جو حضرت بوعلی قلندر تھے، انہوں نے فرمایا: ”بیٹا! تجھ
سے اسلام کی بو آرہی ہے۔ تم سعادت و عزت پاسکتے ہو اگر دین حق

میں داخل ہو گے۔ "ان الفاظ نے اُس راجپوت کے دل کو
 چیر ڈالا۔ لیکن اُس نے کہا کہ وہ اپنی ماں سے مشورہ کرے
 گا۔ جس وقت ماں اُس بزرگ سے ملاقات کا قصہ اپنے
 بیٹے سے سُن رہی تھی، ماں نے حضرت بُوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ
 کی رُوحانی موجودگی کو محسوس کیا جو اُسے مائل کر رہی تھی۔ یہی
 وجہ ہے کہ بیٹا پانی پیت لوٹا اور اُس نے اس ولی کی خدمت
 میں پہنچ کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اُس کا نام بدل کر اُسے
 امر اللہ خان کا نام دیا گیا۔ یہ بھی روایت ہے کہ حضرت
 بُوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے غلجیوں کو امر اللہ کی تمام جائیداد واپس
 کرنے پر راضی کر لیا۔ اس کے باعث کئی راجپوت مسلمان ہو گئے
 حضرت بُوعلی قلندر رحمۃ اللہ علیہ اللہ کے عاشق تھے جنہیں
 قلندر کا رتبہ حاصل تھا۔ جب انسان سالک کے درجے کو
 کو پہنچتا ہے اور وہاں سے حقیقت ذات کا جلوہ اُسے
 ظاہر ہوتا ہے تو وہ ایک عارف بن جاتا ہے۔ جب وہ
 اپنی پرواز میں بلندی لاتا ہے اور غیر اللہ کے بارے میں سب
 کچھ بھلا دیتا ہے، وہ اپنے وہم خودی کو اُتار پھینکتا ہے
 اور اعوان وصل میں پہنچتا ہے۔ پھر وہ ایک واصل بن جاتا
 ہے۔ قُرب و وصل کی راہ نہایت طویل ہے۔ اس راہ کی

ہر منزل کی تجلیات مختلف ہیں اور رُوح قرب کی جُداگانہ لذتوں سے آشنا ہوتی ہے۔ جب واصل اس راہ میں بھی ترقی کرے گا، یہاں تک کہ وہ نئی بلندیاں طے کرے گا، تو اُسے قلندر کے رُتبے سے نوازا جائے گا۔

بقول حضرت شہاب الدین سہروردیؒ: "خرقہ قلندریہ

کو ایک ایسا طیب قلب اور سُور و حضورِ حق حاصل ہے اور اُن پر سُکڑہ حال اور باطنی مستی اس قدر غلبہ کرتی ہے کہ اُن کے ظاہری اعمال، یعنی نوافل و آداب و تناولِ لذت وغیرہ کم ہو جاتے ہیں۔ وہ محض سُور و حضورِ باطنی پر ہی اکتفا کرتے ہیں، مگر ترکِ فرائض نہیں کرتے۔"

سے اے بے خبر! چہ مذہبی از مذہبِ قلندر

برحق بود انا الحق در مشربِ قلندر

اہلِ حقیقت است اوقائل بہ وحدت ست او

حرفِ دولی نشنود و کس از لبِ قلندر

حضرت بو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ کی جذبِ دستی کئی اولیاء

کرام سے بہت زیادہ تھی۔ آپ دریائے حیرت میں کئی کئی

سال تک غرق رہا کرتے تھے۔ ایک مرتبہ جب آپ رحمۃ اللہ علیہ

حالتِ استغراق میں تھے تو آپ کی ریش مبارک شرعی حد

سے بڑھ گئی تھی، مگر کسی کو بھی اُسے سنوارنے کی ہمت نہیں ہوئی۔ کچھ لوگوں نے قاضی ضیاء الدین مفتی سے شکایت کی کہ یہ مُست درویش شریعت سے تجاوز کر رہا ہے۔ قاضی نے دلی کے خلاف حکم جاری کیا کہ اُسے اس غفلت پر مُنزا دی جائے جو اس نے شریعت کے بارے میں برتی ہے۔ یہ حکم خواجہ مالک انصاری کے پاس پہنچا تو انہوں نے اُسے یہ کہتے ہوئے چاک چاک کیا کہ: ”یہ درویش مُست اُست ہے اور شرعی احکام کی پابندیوں سے معذور ہے۔ اے قاضی! اگر تم اس مردِ درویش کو نہیں مانتے تو اُس کی ریش اور مونچھیں خود ہی کُتر دو۔“

جب قاضی نے یہ سنا تو اُس نے اپنے ساتھی بیٹوں کو اس حکم پر عمل درآمد کے لئے کہا لیکن وہ بھی اس دلی کے جاہ و جلال کو برداشت کرنے کی تاب نہیں رکھتے تھے۔ پھر قاضی خود وہاں گیا۔ اس مرتبہ قاضی نے آپ کی داڑھی مبارک کو ہاتھ میں پکڑا اور بڑے احترام سے اُس کو سنوارا اور اُس کو بوسہ دیا۔ اُس کے بعد حضرت ابو علی قلندر رحمۃ اللہ علیہ نے اپنی ریش مبارک کو ہاتھ میں پکڑا اور فرمایا: ”یہ ریش کتنی مبارک ہے کہ شریعتِ محمدی کی راہ میں پکڑی گئی ہے۔“ یہ بھی روایت

ہے کہ اُس وقت قلندر کے جسم کے بال ذکرِ حق میں تھے۔ اُن کی ریاضت اور مجاہدے کی قوت اتنی زیادہ تھی کہ آپ بچپن میں بھی شیروں کے ساتھ کھیلا کرتے تھے اور جب آپ کسی پتھر پر نظر ڈالتے تو وہ پارس بن جاتا۔ جب قلندر ذکرِ "هُو" میں مصروف ہوتے تو آپ کے ہر بال کی جڑ سے پسینہ جاری ہو جاتا۔ جب بوند زمین پر گرتی تو اُس سے "هُو" کا نقش بن جاتا تھا۔ یہ فیضان براہِ راست حضرت علیؑ کے ذریعہ سے تھا۔ قلندر، اللہ کے درویش ہیں جو اُس کے انوار میں رہتے ہیں جو اُس کے سُور میں گھوم کر ہمیشہ حالتِ رقص میں رہتے ہیں۔ وہ تا ابد اسی طرح رہیں گے۔ قلندر اپنے محبوب کے گرد گھومتا ہے اور دنیا اللہ کے قلندر کے گرد گھومتی ہے۔

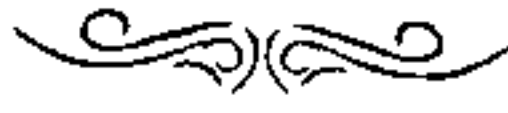
اے اُمتِ محمدی! اللہ کے اولیاء کے ہاتھوں کو تھامے رہیں اور اُنہیں مضبوطی سے تھامیں۔ اُن سے کائناتوں کے بھیدوں کی تعلیم حاصل کریں اور اُن کے ہمراہ حقیقت کے مہا ساگر میں غوطہ لگائیں۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ جن کے دل اولیاء اللہ کے دلوں سے پیوست ہیں اُنہیں تمام کائناتوں کے خزانے حاصل ہیں۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اس مبارک مہینے میں اپنی خاص نعمت

سے نوازے۔

آمین!

ثم آمین۔



قلائد سمرقندی



زمیر سمرقندی:

عاشقِ رسول، شاہِ شاہان، خواجہ خواجگان، قطبِ العالم،
فقیر بے بدل، فقیر بے مثال، فقیر محمدی، فقیر فانی فی اللہ باقی باللہ

حضرت خواجہ شاہ محمد افضل

قادری چشتی (صابری نظامی)، قلندری

المعروف افضل رحمۃ اللہ علیہ سرکار